بسم اللہ الرحمن الرحیم

آٹھواں آفتاب درخشاں

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی و سیرت

ترتیب و پیشکش: اسلامی تحقیقات فاؤنڈیشن

ترجمہ: سید سبط حیدر زیدی

(ہشتمین خورشید تابان: زندگانی وسیرہ امام رضا علیہ السلام ۔اردو)
آٹھواں آفتاب درخشاں: حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی وسیرت /ترتیب وپیشکش: اسلامی تحقیقات فاؤنڈیشن (بنیاد پژوہش ھاي اسلامی) ترجمہ: سید سبط حیدر زیدی۔ مشہد: بنیاد پژوہش ھاي اسلامی۔۱۳۹۳
۲۵۲ص

فیپا ISBN 978 - 964 - 971 - 899 - 6

ا. علی بن موسی (ع) امام ہشتم ۔۱۵۳؟ ۔۲۰۳ھ ق۔ سرگذشتنامہ. الف . بنیاد پژوہش ھاي اسلامی.
ب. زیدی سید سبط حیدر مترجم.

BP ۴۷ /۵۰۴۶ھ ۱۳۹۳ ۲۹۷/۹۵۷

کتابخانہ ملی جمہوری اسلامی ایران ۶۷۹۶۷۲

آٹھواں آفتاب درخشاں
حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی وسیرت
ترتیب وپیشکش: اسلامی تحقیقات فاؤنڈیشن (بنیاد پژوہش ھاي اسلامی)
ترجمہ: سید سبط حیدر زیدی
نظر ثانی: ڈاکٹر حیدر رضا ضابط
طبع اول: ۱۴۳۶ھ بمطابق ۲۰۱۵ء
تعداد: ۱۰۰۰ ۔ قیمت: ۱۰۵۰۰۰ ریال
مبطع: موسسہ طبع ونشر آستان قدس رضوی
info@islamic-rf.ir www.islamic-rf.ir
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

فہرست کتاب

عرض ناشر -- ۱۱

مقدمہ -- ۱۳

پہلی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سوانح حیات ----- ۱۷

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت، نام اور کنیت -------------------- ۱۹

لقب "رضا" -- ۲۱

خاندان، ازواج اور اولاد -- ۲۳

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت -- ۲۸

امامت کے منکر اور ان کے علل و اسباب -- ۳۲

دوسری فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اخلاقی اور معنوی شخصیت ---- ۳۷

ذاتی استقامت اور عمل میں پائداری -- ۴۰

ظالموں کے مقابلے میں قیام -- ۴۰

گمراہ قرابت داروں کی گرفت -- ۴۲

شیعوں پرعنایت اورشفقت ------------------------------ ۴۴
اقلیتوں کےحقوق کاتحفظ ------------------------------ ۴۵
معاشرے میں خندہ پیشانی سے پیش آنا ------------------------------ ۴۶
عفواورچشم پوشی ------------------------------ ۴۸
ضرورتمندوں کی مدد کرنا ------------------------------ ۴۹
ماں باپ کااحترام ------------------------------ ۵۱
اہل وعیال اورہمسرکوعزیز رکھنا ------------------------------ ۵۳
قرابت داروں کےحقوق کی حفاظت ------------------------------ ۵۵
ملازموں کےحقوق کی رعایت اوران کی عزت کاپاس ------------------------------ ۵۶
جودوسخااور بزرگی ------------------------------ ۵۸
مہمان نوازی ------------------------------ ۶۰
زہدوتقوی ------------------------------ ۶۱
دعاومناجات ------------------------------ ۶۲
قرآن سےمحبت ولگاؤ ------------------------------ ۶۶
نمازقائم کرنا ------------------------------ ۶۸
روزےکااہتمام ------------------------------ ۷۱
خوشحالی اورراززندگی ------------------------------ ۷۲
فطرت اورفضائے زندگی سے درست استفادہ کرنا ------------------------------ ۷۳
زیبائش ------------------------------ ۷۷
ذاتی وشخصی نظافت وپاکیزگی ------------------------------ ۷۹

لباس پہننے کے آداب -- ۸۰

کھانا کھانے کے آداب -- ۸۰

تیسری فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی علمی شخصیت ----- ۸۳

انبیاء کے علم کے وارث -- ۸۵

عالم آل محمد -- ۸۸

امام کے علم کا مخالفین کو اعتراف -- ۹۱

امام کی مختلف زبانوں سے واقفیت -- ۹۳

مناظروں میں علم امام کی تجلی -- ۹۵

علمی محافل کے انعقاد پر مامون کی پشیمانی -- ۹۹

حوزہ علمیہ کی بنیاد اور شاگردوں کی تربیت -- ۱۰۱

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منسوب کتابیں -- ۱۰۳

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منسوب اشعار -- ۱۰۹

چوتھی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سیاسی زندگی ------- ۱۱۵

ہارون کی وصیت اور دونوں بھائیوں کا اختلاف -- ۱۱۸

مامون کی خصوصیات -- ۱۲۳

مامون اور حکومتی دشواریاں -- ۱۲۵

مامون اور شیعیت کا اظہار -- ۱۲۷

حضرت امام علی علیہ السلام کی عظمت اور آپ کی شخصیت کا مامون کو اعتراف ---------- ۱۳۰
فدک واپس کرنا -- ۱۳۲
مامون کے شیعہ ہونے کا افسانہ ---------------------------------- ۱۳۴
مامون اور مذہب معتزلہ -- ۱۳۷
قرآن کی خلقت کے متعلق تصور ---------------------------------- ۱۳۸
حکومتوں کے مدمقابل میں امام کا طرزعمل ------------------------------ ۱۴۱

پانچویں فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا مدینے سے خراسان کا تاریخی سفر --- ۱۴۷
حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک سے الوداع ------------- ۱۵۱
ہجرت کے راستے -- ۱۵۳
بصرہ میں ورود -- ۱۵۴
شہر قم میں ورود --- ۱۵۶
نیشاپور میں ورود -- ۱۵۷
حدیث سلسل الذہب --- ۱۵۹
حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا نیشاپور میں لوگوں کی جانب سے استقبال ---------- ۱۶۱
نیشاپور میں چشمہ کہلان -- ۱۶۵
قدمگاہ نیشاپور -- ۱۶۶
رباط سعد میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طبابت -------------------- ۱۶۸
دہ سرخ نامی گاں میں ورود ------------------------------------- ۱۷۱

کوہ سنگی سے گزر -- ۱۷۲
طوس، نوغان اور سناباد میں حضرت کا ورود ------------------------------------ ۱۷۳
شہر سرخس میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ورود ------------------------ ۱۷۴
شہر مرو اور اس کی موقعیت -- ۱۷۷
شہر مرو میں ورود -- ۱۷۹

چھٹی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر ولایت عہدی کو زبردستی تحمیل کرنا --- ۱۸۱
مامون کی سب سے بڑی سیاسی چال --- ۱۸۵
مامون کی دینی اور اخلاقی شخصیت -- ۱۸۸
مامون کی رفتار و گفتار میں تناقض --- ۱۸۹
راستے کی تلاش --- ۱۹۳
دو دھار تلوار حکومت کی پیش کش -- ۱۹۴
امام، دو مشکل ترین رستوں پر --- ۱۹۸
مامون کا اصرار اور امام کا انکار --- ۲۰۰
ولایت عہدی کون سی فکر کا نتیجہ ہے؟ ---------------------------------- ۲۰۳
ولایت عہدی کی تحمیل سے مامون کے اہداف ------------------------------ ۲۰۹
حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سیاسی رفتار اور نظریات ---------------- ۲۱۹
حضرت امام علی رضا علیہ السلام ولایت عہدی کو انتخاب کرنے پر مجبور -------- ۲۲۱
اہل سنت کے نظریہ کے مطابق امام کا انتخاب ---------------------------- ۲۲۲

مذہب امامیہ کی نظر میں انتخاب امام ------------------------------------ ۲۲۴
سیاسی قیادت کا دینی رہبری سے مربوط ہونا ------------------------------ ۲۲۵
دین کا کمال، دینی رہبری کا مستلزم ہے -------------------------- ۲۲۷
غیر دینی قیادت سے انکار اور ظلم وستم کا تسلط ------------------------------ ۲۲۹
ظالم وستمگار اور مغرور متکبر افراد سے مقابلہ ------------------------------ ۲۳۰
اعتقادی مسائل کی اصلاح -- ۲۳۳
مشکل ترین انتخاب -- ۲۳۵
مختلف نظریات کے اعتبار سے ولایتعہدی کا فلسفہ ------------------------------ ۲۳۶
ولایتعہدی کی جلسہ -- ۲۳۹

ساتویں فصل

عہد نامہ ولایتعہدی ------------------ ۲۴۵
حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منسوب دستخط ------------------------------ ۲۵۳
ولایتعہدی کے عہد نامہ پر تحلیل -- ۲۵۸
عہد نامہ پر تامل اور غور وفکر -- ۲۶۱
مامون کی چالاکیوں کے مقابل میں تدبیریں ------------------------------ ۲۶۶
نماز عید کا برپا کرنا -- ۲۷۰
مامون اپنی ہی چالبازیوں کے گھراؤ میں -------------------------------- ۲۷۲
مامون کا سیاسی روش کو تبدیل کرنا -- ۲۷۴

آٹھویں فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت ۲۷۹

مامون، مجرم واقعی ۲۸۵

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت روایات کی نظر سے ۲۸۸

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کا وقت ۲۹۲

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کا مقام اور روضہ منورہ ۲۹۴

کتابنامہ ۲۹۵

عرض ناشر

جس وقت کہ آسمان ولایت وامامت کا چمکتا ہوا آٹھواں آفتاب، حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام ماہ صفر ۲۰۳ھ کے آخری روز، مامون، عباسی خلیفہ کے مکروفریب کے ذریعہ ظاہراً غروب ہو رہا تھا تب شہر طوس کی سرزمین میں سناباد کی خاک نے اپنا دامن پھیلایا اور اس گوہر وجود نازنین کو اپنے سینے میں جگہ دی اور پھر سناباد گمنامی سے نکل کر عظیم ترین افتخار کا حامل ہوا اور مشہد الرضا کے نام سے مشہور ہو گیا۔

اسی روز سے سرزمین خراسان، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پاک کی قدسی خوشبو سے معطر ہو گئی اور حضرت امام رؤف علیہ السلام کی ملکوتی بارگاہ چاہنے والوں اور شیعوں کی جائے طواف اور آپ کی درگاہ کی خاک، دنیا کے دردمندوں اور حاجت مندوں کی آنکھوں کا سرمہ بن گئی، اس زمانے سے آج تک ہمیشہ شہر مشہد، دنیا بھر کے شیعوں اور مسلمانوں کے لیے قابل توجہ اور آمد و رفت کا مرکز ہے اور اس کا نام تاریخ ایران میں درخشندہ ہے۔

اسلامی تحقیقات فاؤنڈیشن اب تک اسلام و معارف اہل بیت علیہم السلام کے مختلف موضوعات پر تقریباً ۱۲ ملین کتابیں طبع و نشر کر چکا ہے کہ جن میں سے سو سے زیادہ کتابیں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی، سیرت و تعلیمات اور آپ کے روضہ منورہ و دیگر مقدس مقامات کی تاریخ کے سلسلے میں ہیں۔

اس کے باوجود بھی اس ادارے کا ارادہ ہے کہ ایک بار پھر ایک کتاب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بارے میں تالیف و منتشر کرے۔

بیشک حضرات اہل بیت علیہم السلام کی معنوی، علمی، ثقافتی منزلت اور آپ کی تعلیمات و ہدایات، دین کی تبلیغ و اسلامی شعائر کی وسیع پیمانہ پر نشر کے لیے بہترین راستہ ہے، اس لیے کہ وہ حضرات مرکز نور و معدن ہدایت ہیں اور علم دین و فکر توحید انہی کے ارشادات و تفاسیر کی روشنی میں مستحکم و منتشر ہوا ہے۔

کتاب حاضر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی و سیرت پر ایک تحلیل و تجزیہ کی صورت میں فارسی و عربی کے معتبر منابع کی بنیاد پر سلیس و رواں روش میں تالیف کی گئی ہے۔

کتاب کا اسلوب اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ محققین کے علاوہ عام افراد بھی اور خصوصا آنحضرت کے زائرین بھی اس کے مفید مطالب سے بہرہ مند ہو سکتے ہیں۔ آخر میں حجۃ الاسلام احمد ترابی و حجۃ الاسلام محمد جواد معینی اور زائرین کے ثقافتی مطالعات کے گروہ کا خلوص دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

من اللہ التوفیق

اسلامی تحقیقات فاؤنڈیشن

آستان قدس رضوی

مقدمہ

جب حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود مبارک نے سرزمین حجاز کو منور کیا کسی کو نہیں معلوم تھا کہ آپ کا آسمانی پیغام اتنی جلدی پوری دنیا میں پھیل جائے گا اور نہ صرف جزیرہ عرب بلکہ دور دراز کی تہذیب وتمدن کو نور توحید اور اخلاق وعدالت کی روشنی عطا فرمائے گا۔

ابھی حجاز کے لوگ اس فرزندار جمند کے پیدا ہونے پر ہی فخر کر رہے تھے کہ خداوند عالم نے اپنے عظیم ترین پیغمبر کو ایک دختر نیک اختر عطا کی تا کہ اس پاک و پاکیزہ کوثر کی نسل سے کچھ ایسے ستارے دنیا میں آئیں کہ جو علم وحلم ومعنویت وکرامت میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ ہوں اور ان میں سے ہرایک آنحضرت کے آسمانی آئین اور حیات بخش دستور کو تمام عالم میں جاوداں کردیں۔

ان دنوں میں کسی کو بھی یہ گمان نہیں تھا کہ اس خاندان عصمت وطہارت کے آٹھویں امام آنے والے وقت میں خراسان کی وسیع اور مہر ومحبت والے لوگوں کی سرزمین کی آغوش میں جا بسیں گے، اس لیے کہ خاندان نبوی تو شہر مدینہ کے محلّہ بنی ہاشم میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم مبارک کے جوار میں زندگی بسر کر رہے تھے۔

اہل مدینہ نے ابھی تک شہر توس کے غیر معروف سناباد نامی گاؤں کا نام بھی نہیں سنا تھا اور تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ آئندہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام، عالم آل محمد مدینہ سے خراسان کی طرف ہجرت فرمائیں گے اور سناباد آپ کی آخری منزل ہوگی تا کہ ہدایت پانے والوں کے لیے ایک مشعل راہ اور مظلوم و بے پناہ لوگوں کے لیے پناہگاہ قرار پائیں۔

ایرانی پہلے ہی سے اہل بیت علیہم السلام کے محبّ اور چاہنے والے تھے اور اپنی سرزمین کو اہل بیت کے لیے جائے امن و پناہ سمجھتے تھے۔ یہ ان کی آرزو تھی کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک خاندان سے کسی فرزند کی میزبانی کا شرف ان کو بھی ملے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام جیسی عظیم شخصیت ان کی مہمان ہو، تا کہ نماز جمعہ و جماعت برپا ہو خطبہ ارشاد فرمائیں تعلیم وتدریس فرمائیں، قرآن و سنت نبوی کی تعلیم دیں اور حدیث سلسلۃ الذھب جیسی سیکڑوں حدیثیں بیان فرمائیں۔ مختلف ادیان و مذاہب کے علماء کے ساتھ مناظرہ وگفتگو کریں اور اپنی الٰہی منصب کے ساتھ حکومت کے ظلم وجور کی زنجیروں کو لوگوں کے ہاتھ، پیر اور گردنوں سے نکال پھینکیں۔

سناباد اور نوغان کے لوگوں کی آرزو تھی کہ نیشاپور کے لوگوں کی طرح آپ کا استقبال کریں اور امامت کے مقام ومنزلت کو آشکار کریں لیکن افسوس کہ امام علیہ السلام، مامون حاکم وقت کی چھاؤنی میں محصور تھے اور یہ امکان نہیں تھا کہ آپ کے چاہنے والے آپ کی زیارت سے مشرف ہوسکیں۔ اگر چہ مامون کا امام سے اس طرح کا سلوک، ان لوگوں کے لیے کہ جو بنی عباس سے واقف اور ہارون کی حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے ساتھ مخاصمت وکینہ سے پوری طرح باخبر تھے اور انہیں اس بات پر انتہائی حیرت بلکہ تعجب تھا کہ مامون اپنے اسلاف و بزرگوں کی روش کو چھوڑ کر، اولاد علی علیہ السلام کو قتل کرنے کے بجائے ظاہراً ان کا احترام کرنے لگا تھا!۔

ایرانی جس طرح حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے خاندان سے ارادت ومحبت رکھتے تھے اسی طرح مامون کی رفتار کو شک کی نگاہ سے دیکھتے اور فکر مند تھے۔

چونکہ جانتے تھے کہ اس کے باپ ہارون نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو زہر دیا اور خود مامون نے اپنی حکومت وقدرت کے لیے اپنے بھائی امین کو قتل کر دیا، ایسا انسان کبھی بھی حقیقت طلب، امام کی معرفت رکھنے والا اور اہل بیت علیہم السلام کا محبّ وچاہنے والا نہیں ہوسکتا۔ یہ اندیشے، حقیقت سے دور نہیں تھے اس لیے کہ آخر کار مامون نے اپنی خباثت وپلیدی کو آشکار کیا اور اپنے اصلی مقصد کو عملی جامہ پہنایا اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو شدید اصرار کر کے مہمان بنایا اور زہر دغا سے شہید کر دیا۔

اس طرح حضرات اہل بیت علیہم السلام کے چاہنے والوں کی خوشیاں زیادہ دیر تک باقی نہ رہ سکیں اور امام رؤف کی غریبانہ شہادت کی خبر نے خطہ خراسان کے مرد وعورت کو غم وماتم میں غرق کر دیا۔

اگر چہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے وطن سے بہت دور مسافرت اور غریب الوطنی کی حالت میں جام شہادت نوش فرما کر دنیا سے رخصت ہو رہے تھے لیکن سرزمین خراسان کے باشندوں نے اپنا اظہار عقیدت وارادت اس طرح کیا کہ آپ کے جسد مطہر کو ہمیشہ کے لیے قلب خراسان میں محفوظ کر لیا اور ان کی یادوں سے ہمیشہ اپنے ایمان کو معطر رکھا یہی سبب ہے کہ شہر مشہد مقدس ایران کا معنوی دار الحکومت اور اہل بیت کے چاہنے والوں اور عاشقوں کا قبلہ گاہ قرار پایا۔(۱)

۱۔﴿لو كان العلم معلقا بالثريا لتناوله قوم من ابنا فارس ﴾ کنز العمال، ج۱۱، ص۶۹۱۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم ودانش اگر ثریا پر بھی معلق ہو جائے تو بھی فارس (ایران) کے لوگ اس کو حاصل کر لیں گے۔

پہلی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سوانح حیات

پہلی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سوانح حیات

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت، نام اور کنیت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام شیعوں کے آٹھویں امام، حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے سب سے رشید و نجیب فرزند ہیں آپ کی ولادت، مشہور قول کے مطابق ۱۱/ ذیقعدہ ۱۴۸ھ میں ہوئی۔(۱)

آپ کا نام مبارک، علی، مشہور لقب رضا اور معروف ترین کنیت ابوالحسن ہے، حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام آپ کو اسی کنیت سے پکارتے تھے، (۲) البتہ کبھی کبھی آپ کو ابوعلی و ابومحمد کنیتوں سے بھی بلاتے تھے۔(۳)

---

(۱) اعلام الوری، ص۳۰۲۔ تذکرۃ الخواص، ص۱۸۹۔ کشف الغمہ ، ج۳، ص۷۰۔ تاج المواليد، ص۴۸۔ مطالب السؤول، ص۸۸۔ روضۃ الواعظین، ص۳۸۶۔ مسند الامام الرضا، ج۱، ص۱۵۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۲۳۔

(۳) مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۳۴۴۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے آپ سے بہت زیادہ محبت کی وجہ سے اپنی کنیت آپ کو عنایت فرمادی تھی، جناب طریحی نے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے: "بیشک میں نے اپنی کنیت آپ (امام علی رضا علیہ السلام) کو عطا کردی ہے۔(۱)

دوسری حدیث میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ میرا فرزند سب سے زیادہ فقیہ ہے اور میں نے اپنی کنیت ابوالحسن اس کو بخش دی ہے۔(۲)

مورخین ومحدثین نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اور بھی بہت سے القاب نقل کیے ہیں: سراج اللہ، نور الہدی، قرۃ عین المومنین، مکید الملحدین، کافی الخلق، الرضی، الرضا، الفاضل، الصابر، الوفی، الصدیق۔(۳) اسی طرح صابر، زکی اور ولی بھی آپ کے القاب میں شامل ہیں۔(۴)

لقب "رضا"

بعض مورخین معتقد ہیں کہ جیسے ہی حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ولی عہدی کو قبول فرمایا، تو مامون نے آپ کو "رضا" کا لقب دیا۔ جریر طبری ۲۰۱ ہجری کے حوادث کے ذیل میں لکھتے ہیں: "اس سال مامون نے علی بن موسی بن جعفر کو اپنا ولیعہد اور اپنے بعد کے لیے خلیفہ نامزد کیا، اور آپ کو "الرضی من آل محمد" کا نام دیا"۔(۵)

---

(۱) مجمع البحرین، مادہ نحل، وفی حدیث موسی فی الرضا "اما انی قد نحلته کنیتی"

(۲) اثبات الھداۃ، ج۶ ص۱۴۔

(۳) دلائل الامام، ص۱۸۳۔ مناقب، ج۴، ص۳۶۷۔

(۴) الفصول المہمہ، ص۲۲۶۔

(۵) تاریخ طبری، ج۷، ص۱۳۹۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا لقب "رضا "رکھنے سے متعلق دیگر شواہد و دلائل موجود ہیں جو مورخین کے تجزیہ و تحلیل سے بالا تر ہیں، یہ دلائل دو حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں:

۱- وہ جو صرف شیعہ اور اہل بیت کی ولایت کے معتقد حضرات کے نظریہ کے مطابق ہیں، یہ کہ حضرات اہل بیت علیہم السلام کے نام و القاب، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ وحی کے ذریعہ متعین ہوئے ہیں، جیسا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام کے ناموں کے سلسلے میں فرمایا: "ما کنت لاسبق ربی باسمہ "(۱) میں ان کے نام رکھنے میں اپنے پروردگار پر سبقت نہیں کر سکتا ہوں۔

دوسری روایت میں نقل ہوا ہے: "اعلم ان اللہ سماہ فی اللوح المحفوظ بالرضا"(۲) بیشک خداوند عالم نے آپ کا نام لوح محفوظ میں "رضا "رکھا۔

۲- علاوہ ازاین وہ روایات کہ جو سب لوگوں کے لیے قابل قبول ہیں اور جو گذشتہ اماموں سے منقول ہیں ان میں آپ کو لقب "رضا" سے یاد کیا گیا ہے۔

شیخ صدوق نے سلیمان بن ابی حفص مروزی سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے اپنے فرزند کو "رضا" کا لقب دیا اور وصیت فرمائی کہ سب لوگ آپ کو "رضا" کے نام سے یاد کریں۔(۳)

یہ نام اور حضرت امام کاظم علیہ السلام کی وصیت حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے لیے مامون کی ولی عہدی اور خلافت کے مسئلہ سے پہلے کی باتیں ہیں اور دوسری روایت میں بزنطی سے نقل ہوا ہے:

---

(۱) معانی الاخبار، ص۵۷۔

(۲) مجموعہ نفیسہ، ص۲۲۳۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۱۳۔

"میں نے حضرت ابوجعفر محمد ابن علی بن موسی امام جواد علیہ السلام سے عرض کیا: بہت سے مخالفین کا خیال یہ ہے کہ آپ کے والد گرامی کو لقب "رضا "مامون نے دیا ہے، چونکہ آپ نے ولایت عہدی کو قبول فرمالیا اور اس سے راضی ہوگئے۔ حضرت نے جواب میں فرمایا: خدا کی قسم! جھوٹ کہتے ہیں اور نامناسب نسبت دیتے ہیں بلکہ خداوند عالم نے میرے والد کا نام "رضا "رکھا اس لیے کہ آسمان میں خداوند عالم اور زمین میں رسول اکرم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام آپ سے راضی وخوشنود ہیں" راوی نے امام سے سوال کیا کہ کیا یہ خصوصیت آپ کے دیگر آباء واجداد میں نہیں تھی؟ امام نے جواب دیا: کیوں نہیں، لیکن خداوند عالم نے میرے والد کو ایک خاص خصوصیت کی وجہ سے میرے آباء واجداد سے ممتاز رکھا وہ یہ کہ آپ سے مخالفین بھی موافقین کی طرح راضی وخوشنود تھے لہذا صرف آپ کا لقب "رضا "رکھا گیا(۱) اس کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات ہیں، جو اس سلسلے میں نقل ہوئی ہیں۔(۲)

ان لوگوں کا نظریہ کہ جو اس بات کے معتقد ہیں کہ مامون نے اپنا ولی عہد مقرر کرنے کے بعد آپ کا لقب "رضا "رکھا صحیح نہیں ہے(۳) اس لیے کہ اس واقعہ سے پہلے ہی سے آپ کا لقب "رضا" روایات میں پایا جاتا ہے جن میں سے ایک حوالہ وہ خط ہے جو فضل بن سہل نے آپ کو توس تشریف لانے کے لیے ارسال کیا اور جس میں تحریر ہے:"بسم اللہ الرحمن الرحیم، لعلی بن موسی الرضا --- من ولیہ الفضل بن سھل ---(۴)" مذکورہ روایات اور منابع کی بنیاد پر یہ اطمینان حاصل کیا جاسکتا ہے کہ لقب "رضا " کا مسئلہ ولایت عہدی سے کوئی ربط نہیں ہے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۱۳۔

(۲) تہذیب الاحکام، ج۶، ص۱۰۸۔ امالی صدوق، ۵۸۸۔

(۳) تاریخ طبری، ج۷، ص۱۳۹۔ المنتظم، ج۱۰، ص۹۳۔

(۴) التدوین فی اخبار قزوین، ج۴، ص۱۵۔

خاندان، ازواج اور اولاد

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے والد گرامی حضرت امام موسی کاظم ابن جعفر صادق علیہم السلام اور مادر گرامی وہ عظیم خاتون تھیں کہ جن کو اس طرح کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے جیسے: تکتم، نجمہ، سمانہ، خیزران، سکن، نجیہ اور طاہرہ۔ لیکن سب سے زیادہ مشہور و معروف نام تکتم ہے۔ جس وقت یہ عظیم خاتون حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے بیت الشرف میں تشریف لائیں تو آپ کو اسی نام سے پکارا جاتا تھا، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے بعد سے آپ کو طاہرہ کا لقب دیا گیا۔(۱) آپ ایک پاک دامن،(۲) عقلمند اور عجم کی شریف ترین خاتون تھیں۔(۳)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شریک حیات ایک پاکدامن سبیکہ نامی خاتون تھیں۔ آپ سے ایک فرزند کی ولادت ہوئی کہ جن کو جوادالآئمہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور سلسلہ امامت آپ کے اسی فرزند کے ذریعہ آگے بڑھا۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شریک حیات جناب سبیکہ کے علاوہ کہ جو ام ولد تھیں مورخین نے مامون کی بیٹی ام حبیبہ کو بھی تحریر کیا ہے(۴) کہ جس کی شادی مامون نے اپنے سیاسی اہداف کی خاطر آنخضرت سے کی تھی، جیسا کہ ایک مدت کے بعد اپنی دوسری بیٹی ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے رشتہ ازدواج میں دیدیا۔(۵)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۱۴۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۱۷۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۱۴۔ ینابیع المودۃ، ص۳۸۴۔ کشف الغمہ، ج۳، ص۱۴۹۔

(۴) تذکرۃ الخواص، ص۳۱۶۔ اعلام الوری، ص۳۲۸۔ دلائل الامامہ، ص۱۷۷۔

(۵) مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۳۶۷۔

مورخین ومحدثین دومواقع پر اتفاق نظر رکھتے ہیں: پہلا یہ کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے یہاں مامون کی بیٹی ام حبیبہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور دوسرے یہ کہ جناب سبیکہ سے ایک فرزند بنام حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔

بہت سے علماء جیسے ابن شہر آشوب(۱)، محمد بن جریر طبری(۲)، شیخ مفید(۳)، طبرسی(۴) معتقد ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور اولاد نہیں تھی ۔جب کہ بعض قائل ہیں کہ آپ کے ایک سے زیادہ فرزند تھے۔(۵) لیکن علماء امامیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے تنہا فرزند ہیں اور اسی مطلب کی متعدد روایات تائید بھی کرتی ہیں۔

حنان بن سدیر کہتے ہیں: "میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کی کہ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی امام بغیر فرزند اور بغیر جانشین کے ہو؟ حضرت نے فرمایا: نہیں! اور جان لو کہ میرے یہاں صرف ایک بیٹا ہوگا اور خداوند عالم اسی سے بہت زیادہ نسل عطا کرے گا۔(۶)

ابن قیام واسطی نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ایک خط میں تحریر کیا: آپ کس طرح کے امام ہیں جب کہ آپ کے کوئی فرزند و جانشین نہیں ہے؟ امام نے اس کے جواب میں تحریر کیا:

---

(۱) مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۳٦۷۔

(۲) دلائل الامامہ، ص۱۸۴۔

(۳) الارشاد، ج۲، ص۲٦۳۔

(۴) اعلام الوری، ص۳۲۹۔

(۵) کشف الغمہ، ج۳، ص۸۹۔ الفصول المہمہ، ص۲٦۴۔ الاتحاف، ص۱٦۸۔ ینابیع المودۃ، ص۳٦۴۔

(٦) کشف الغمہ، ج۳، ص۱۳٦۔

تمہیں کیسے معلوم کہ میرے کوئی فرزند نہیں ہوگا؟ خدا کی قسم! میری زندگی کا خاتمہ نہیں ہوگا مگر یہ کہ خداوند مجھ کو ایک بیٹا عطا فرمائے گا کہ جو حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہوگا۔(۱)

بہر حال اگر اس مشہور و معروف نظریہ کو قبول کرلیا جائے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تنہا فرزند تھے تو یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ آج دنیا بھر میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اولاد سے منسوب جو آرامگاہیں اور مقبرے ہیں وہ کس کے ہیں اور ان کا کیا اعتبار ہے؟

متعدد کتب اور تاریخی منابع میں شہر قوچان، مرو اور قزوین میں زیارتگاہیں ہیں کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اولاد کے نام سے مشہور ہیں۔شہر قوچان میں ایک آرامگاہ ہے کہ جو مزار سلطان ابراہیم کے نام سے معروف ہے ۔(۲) اور شہر مرو کے ایک دیہات بنام مروانہ میں بھی ایک مزار ہے کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ایک فرزند سے منسوب ہے۔(۳)

شہر قزوین میں بھی ایک آرامگاہ ہے جو شہزادہ حسین کے نام سے مشہور ہے۔لیکن ان میں سے کسی کی بھی قطعی سند نہیں ہے کہ جو قابل اعتماد ہو اور اکثر و بیشتر صرف لوگوں کے اعتقادات سے مربوط ہے۔

ان مزارات کے لیے متقدمین کے منابع میں سے صرف ایک نشان نظر آتا ہے کہ جو صاحب مناقب (۱) نے مرو کے مزار کے سلسلے میں تحریر کیا ہے لیکن اس میں مدفون شخصیت کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی ہے اور دوسری بات شہر قزوین میں مزار سے متعلق ہے کہ جس کو عبدالکریم رافعی قزوینی نے بیان کیا ہے(۲) جب کہ دوسرے منابع اس مزار کو جناب حسین الثائر بن علی بن داؤد بن محمد ابو یونس بن علی بن عبداللہ بن جعفر طیار سے نسبت دیتے ہیں۔(۳)

---

(۱) الارشاد، ج۲،ص۲٦٦۔

(۲) بحارالانوار، ج۴۸،ص۳۲۰۔

(۳) مناقب آل ابی طالب، ج۴،ص۳٦۲۔

بہر حال ان آرامگاہوں کی نسبت حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اولاد ہونے کے حوالے سے کوئی تاریخی اہم علامت نظر نہیں آتی بلکہ احتمال یہ ہے کہ یہ مزارات آپ کے پوتوں، یا دوسری دینی و معنوی شخصیتوں سے تعلق رکھتے ہوں اور درمیان سے کوئی ایک سلسلہ نسب حذف ہوگیا ہو یا ایک طویل مدت کی وجہ سے غفلت وفراموشی کا شکار ہو گئے ہوں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ۳۵ سال کی عمر میں اور ایک روایت کے مطابق ۲۹ سال اور دو مہینے کے سن مبارک میں حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد مقام امامت اور امت کی رہبری پر فائز ہوئے۔ مذہب شیعہ امامیہ کے نزدیک اہل بیت علیہم السلام کی واضح ترین خصوصیت امامت و رہبری ہے، مورخین و محققین نے اس مسئلہ کے لیے مستقل جداگانہ ابواب بیان کیے ہیں۔ لہذا شیعہ آئمہ کے متعلق ان موارد کا نقل کرنا خصوصا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے متعلق خصوصی اہمیت رکھتا ہے، اس لیے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد امامت کے سلسلے میں شیعوں کے درمیان اختلاف وجود میں آیا اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کے معتقد افراد کے علاوہ ایک دوسرا فرقہ بنام واقفیہ بھی وجود میں آ گیا۔ وہ لوگ سلسلہ امامت کے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام پر ہی ختم ہونے کے معتقد تھے لہذا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کا اثبات کرنا اور ولایت کے سلسلے کو باقی رکھنا ایک خاص اہمیت کا حامل تھا۔

---

(۱) مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۳۶۲۔

(۲) التدوین فی اخبار قزوین، ج۱، ص۵۶۔

(۳) سراج الانساب، ص۱۷۹۔ تہذیب الانساب ونہایۃ الاعقاب، ص۳۳۸۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ص۵۹۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کے بارے میں روایات اور ان کی تحقیق اس سے کہیں زیادہ ہے کہ اس مختصر سی کتاب میں جمع آوری کی جائے۔ لہذا صرف چند روایات کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں روایات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- وہ روایات کہ جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صحابہ کرام سے نقل ہوئی ہیں اور ان میں بارہ اماموں کے ناموں کی تصریح ہوئی ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا نام گرامی بھی ان ناموں کے درمیان موجود ہے۔

۲- وہ روایات جو بعض آئمہ طاہرین نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمائی ہیں۔

۳- وہ روایات کہ جو حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی جانب سے ان کے بعد کے امام کے متعلق نقل ہوئی ہیں۔

پہلی قسم کی روایات میں سے ایک وہ ہے جسے شیخ صدوق نے متعدد اسناد کے ساتھ جابر بن عبداللہ انصاری سے نقل کیا ہے۔ جابر کا بیان ہے: جس وقت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا آپ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلایا تا کہ وصیت فرمائیں، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے بھائی جناب زید ابن علی نے فرمایا: اگر آپ میرے متعلق بھی حضرت امام حسن وحسین علیہما السلام کی طرح رفتار کرتے تو میری نظر میں کوئی بری بات نہ تھی، ان کا مطلب یہ تھا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بجائے مجھے امام کی حیثیت سے متعارف کراتے، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ان سے احترام کے ساتھ فرمایا: اے ابوالحسن اللہ کی امانتیں قیاس اور ایک دوسرے سے تشبیہ کی بنیاد پر انجام نہیں پاتی ہیں، یہ وہ مسائل ہیں کہ جو پہلے سے مشیت الہی میں طے شدہ ہیں اور الہی حجتیں معین ہو چکی ہیں۔ پھر جناب جابر ابن عبداللہ کو بلوایا اور فرمایا:

آپ نے جو صحیفہ دیکھا ہے وہ ہمارے سامنے بیان کرو، جابر نے عرض کیا: میں حضرت امام حسین ابن علی علیہما السلام کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں مبارکباد پیش کرنے حاضر ہوا، میں نے آپ کے دست مبارک میں ایک صحیفہ دیکھا، تو عرض کیا کہ وہ صحیفہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا: اس میں ان آئمہ کے نام ہیں کہ جو میری اولاد میں سے ہیں، میں نے آپ سے اجازت لی کہ کیا میں اس کی زیارت کرسکتا ہوں آپ نے اجازت مرحمت فرمائی تب میں نے اس صحیفہ کو دیکھا اس میں تمام اماموں کے نام ان کے خصوصیات والقاب کے ساتھ موجود تھے، اس وقت جابر ابن عبداللہ انصاری نے جو کچھ اس صحیفہ یا لوح میں پڑھا تھا حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے حضور تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔(۱)

اس طرح کی احادیث کہ جن میں حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے زمرہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کی تصریح ہوئی ہے، حدیثی منابع اور متون روایات میں بہت زیادہ ہیں۔(۲)

دوسری قسم کی روایات میں سے درج ذیل حدیث قابل ذکر ہے:

شیخ طوسی نے روایت کی ہے کہ جابر جعفی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت شریفہ (ان عدة الشهور عندالله اثنا عشر شهرا--- (۳) کے متعلق سوال کیا، حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک گہرا سانس لیا اور فرمایا: بارہ مہینوں سے مراد، آئمہ ہیں۔(۴) اس حدیث میں بھی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو آپ کے لقب ''رضا'' کے ذریعہ یاد کیا گیا ہے۔

---

(۱) متن صحیفہ بعنوان "خبر لوح" عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۴۲، میں مذکورہ ہے۔

(۲) کمال الدین، ص۲۵۳، ۲۵۸، ۲۸۴۔

(۳) بیشک خداوند عالم کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔(توبہ/ ۳۶۔

(۴) اس روایت میں حضرت نے تمام اماموں کے نام ذکر فرمائے ہیں۔الغیبہ ۔۱۴۹۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت پر نصوص کے سلسلے میں مہم ترین حصہ تیسری قسم کی روایات ہیں کہ جن میں دنیا سے رخصت ہونے والے امام نے اپنے بعد والے امام کا پوری وضاحت کے ساتھ اپنے جانشین کی حیثیت سے معرفی کی ہے۔حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے متعدد مقام اور مختلف مناسبتوں پر اپنے بعد کے امام کو پہچنوایا ہے۔

داد بن کثیر رقی کہتے ہیں: میں نے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی میں بوڑھا ہو چکا ہوں اب وہ طاقت بھی نہیں رہی، لہذا اب آپ کی زیارت کے لیے بھی زیادہ مشرف نہیں ہوسکتا، مجھ کو اپنے بعد کے امام کے متعلق معرفت عطا فرمائیں۔حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے میرے جواب میں فرمایا: میرے بعد میرا بیٹا علی امام ہے۔(۱)

علامہ مجلسی نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت پر دلائل کے باب میں اڑتالیس روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند حضرت امام موسی علی رضا علیہ السلام کو اپنے بعد اپنے وصی و جانشین کے طور پر متعارف فرمایا ہے۔(۲)

امامت کے منکر اور ان کے مخفی اہداف

مذکورہ روایات اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سیرت و کردار میں امامت کی علامات کے باوجود، ایک گروہ بنام واقفیہ نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کو تسلیم نہیں کیا اور یہ گمان کیا کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام ہی قائم امت ہیں، وہ زندہ ہیں۔

---

(۱) الفصول المہمہ، ۲۳۵۔عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۲۳۔متن حدیث:"عن داؤد الرقی، قال: قلت لابی ابراهيم(يعنى موسى الكاظم عليه السلام) فداك ابى، انى قد كبرت و خفت ان يحدث بى حدث ولا القاك ، فاخبرنى من الامام بعدك؟ فقا ل ابنى على"۔

(۲) بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۱- ۲۸۔

امامت آپ ہی پر متوقف ہوگئی ہے! یہ لوگ ''واقفہ'' یا ''واقفیہ'' کے نام سے مشہور ہوگئے۔(۱)

فرقہ واقفیہ کے علماء و بزرگان نے حتماً دوسرے لوگوں کی طرح حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زبان مبارک سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کے بارے میں سنا ہوگا۔(۲) اور پھر حضرت امام مہدی موعود سے متعلق متعدد روایات آئمہ طاہرین اور خصوصاً حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زبان مبارک سے نقل ہوئی ہیں جن کے بعد انحراف کی قطعی گنجائش نہیں۔لیکن کوئی خاص وجہ تھی جس کی خاطر وہ منحرف ہوگئے۔

واقفیہ مذہب کے بزرگان و رہبر اور اس فکر کی بنیاد ڈالنے والے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی میں آپ کے نمائندے تھے اور آپ کے خزانچی کی حیثیت رکھتے تھے۔(۳) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت کے وقت بہت زیادہ سہم امام ان لوگوں کے پاس موجود تھا، مثلاً ابوحمزہ بطائنی کے پاس تیس ہزار دینار، زیاد بن مروان قندی کے پاس ستر ہزار دینار اور عثمان بن عیسیٰ رواسی کے پاس بھی تیس ہزار دینار موجود تھے۔(۴)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بعد کے تمام امور اپنے جانشین حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سپرد فرما دیئے تھے، لیکن ان لوگون نے یہ فکر کی کہ اس مال و دولت کو امام وقت یعنی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حوالے نہ کریں۔

---

(۱) فرق الشیعہ، ص۷۹۔

(۲) مذہب واقفیہ کے علماء میں سے ایک زیاد بن مروان قندی ہے کہ جس نے حضرت امام موسیٰ کاظم سے آپ کے جانشین کے متعلق متعدد احادیث سنی ہیں اور دوسروں سے نقل کی ہیں۔الکافی، ج۱،ص۳۱۲۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۱۱۲۔

(۴) عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۱۱۲۔

لہذا یہ پروپیگنڈا کیا کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام ہی قائم آل محمد ہیں جو زندہ ہیں اور ہم پہلے کی طرح اب بھی ان کے نمائندے ہیں۔

عثمان بن عیسی رواسی حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے نمائندہ کے طور پر مصر میں فرائض انجام دے رہے تھے، بہت زیادہ مال ودولت اور کنیزیں ان کے اختیار میں تھیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کے انتقال کے بعد عثمان بن عیسی کو خط تحریر فرمایا اور ان سے مال کو بھیجنے کو کہا۔ انہوں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے خط کے جواب میں تحریر کیا: "ان اباك لم یمت "آپ کے والد نے انتقال نہیں فرمایا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے دوسری مرتبہ ان کو خط لکھا اور اپنے والد گرامی کی شہادت کے سلسلے میں مکمل حالات تحریر کیے اور دلائل پیش کیے، لیکن وہ پھر بھی اپنی بات پر اصرار کرتے رہے، اور اموال، امام کی خدمت میں نہیں بھیجے۔(۱)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی شہادت تمام آئمہ طاہرین کی شہادتوں میں ایک واضح اور روشن ترین بات ہے اس لیے کہ حکومت اور خلیفہ وقت نے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے جنازے کو تین روز تک پل بغداد پر رکھا تا کہ امت مسلمہ کی اہم شخصیات کو گواہ بنائے کہ حضرت کا طبیعی طور سے انتقال ہوا ہے!

بہر حال اس طرح کا واقعہ پیش آیا پھر بھی کچھ لوگ فرقہ واقفیہ کے ماننے والے ہو گئے۔ اگر چہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام نے پہلے ہی سے اس فرقہ کی پیدائش کے متعلق پیشنگوئی فرمادی تھی اور محمد بن سنان سے فرمایا تھا: اس سال ایک نیا حادثہ پیش آئے گا، اس سے پریشان نہ ہونا کہ وہ کوئی فکر کرنے کی بات نہیں ہے۔۔۔ پھر فرمایا:

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۱۱۲۔

جو شخص بھی میرے بیٹے کے حق میں ستم کرے گا اور میرے بعد اس کی امامت سے انکار کرے گا وہ اس شخص کی طرح ہے کہ جس نے حضرت علی علیہ السلام کے حق میں ستم کیا اور آپ کی امامت اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی جانشینی سے انکار کیا ہو۔(۱)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۳۲۔ "انہ سیکون فی هذه السنة حرکة ، فلاتجزع منها--- قال: من ظلم ابنی هذا حقه و جحد امامته من بعدی کان کمن ظلم علی بن ابی طالب حقه و جحد امامته من بعد محمد"۔

دوسری فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اخلاقی اور معنوی شخصیت

دوسری فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اخلاقی اور معنوی شخصیت

مذہب شیعہ کے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی اخلاقی اور معنوی شخصیت، خداوند عالم کا ان کو عطا کردہ ایک خاص عطیہ ہے۔ اہل بیت علیہم السلام کی شخصیت کو اس حیثیت سے درک کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان کامل رکھا جائے اور آنحضرت کی بیان کردہ، اساس اور بنیاد پر عترت کی سرپرستی اور ولایت کو قبول کیا جائے۔

واضح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخلاق میں نمونہ عمل تھے جیسا کہ خداوند عالم نے آپ کے نیک اخلاق کی مدح وستائش فرمائی ہے۔(۱) اسی طرح تمام آئمہ طاہرین علیہم السلام بھی حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کے مظہر تھے، اس طرح کہ جب کوئی ان کو دیکھتا تو بے اختیار پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آجاتے تھے۔

---

(۱) ''انك لعلى خلق عظيم''، قلم/۴۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی اپنی ذاتی اوراجتماعی زندگی میں اسی سیرت وکردار کے مالک تھے، کہ جس کی عکاسی وجھلک تاریخ وروایات کے آئینہ میں پائی جاتی ہے، یہاں پر ہم حضرت کی اخلاقی و معنوی شخصیت کے بارے میں مختصر سی گفتگو کر رہے ہیں۔

مستحکم شخصیت اور عمل میں پائداری

وہ ایک خصوصیت کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرتی ہے، آپ کا اپنی ذات میں منفرد ہونا ہے، یہاں پر ذات میں منفرد ہونے سے مراد، فکر واندیشہ کا مستحکم و پائدار اور کردار ورفتار کا یکساں ہونا ہے۔

تمام آئمہ معصومین، الٰہی تربیت سے مزین وآراستہ اور اپنی مثال آپ تھے، ان سب نے چاہے وقت امامت سے پہلے یا بعد میں، قید خانے کے اندر یا باہر، خوشی میں یا غم میں، یہاں تک کہ حالت رنج والم میں بھی سوائے سچ کے کچھ نہیں کہا، اور یہ دین وشریعت سے ہٹ کر کبھی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ سب ہمیشہ عدالت کے طرف دار رہے ہیں۔اور یہ سب لوگوں سے بات چیت اور روابط میں اصول انسانی کے مطابق پیش آتے تھے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنی پوری زندگی میں ہمیشہ حق وانصاف کے محافظ رہے اور آپ نے ہمیشہ اصول ومبانی اسلام کا دفاع فرمایا: آپ دوستوں اور دشمنوں سے ملاقات میں اخلاق اسلامی کا خاص لحاظ فرمایا کرتے تھے اور کبھی بھی یاد خدا سے غافل نہیں ہوئے۔

ظالموں کے مقابلے میں قیام

اگر چہ مامون نے ظاہرا امام کو ولی عہد مقرر کر دیا تھا لیکن امام بغیر کسی رعایت کے اس کو اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے مطلع فرماتے، اور اس کے کردار ورفتار کی مناسب مواقع پر سخت گرفت کرتے تھے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام مدینہ میں مامون کے زمانے میں حالات دگرگوں ہونے کی وجہ سے مامون پر غضبناک ہوئے ، یہاں تک کہ ایک روز آپ نے مامون سے خطاب فرمایا: "تو نے مسلمانوں کے امور کو ضائع کیا اوران کے کام کاج کی باگ ڈور ایسے افراد کے سپرد کی ہے کہ جو لوگوں سے قانون الٰہی کے مطابق پیش نہیں آتے۔ اور تو نے اس شہر کو کہ جو آستانہ ہجرت اور کاشانہ وحی خدا ہے، آشفتہ کر دیا۔ تیری حکومت میں مہاجر اور انصار پر ظلم ہوتا ہے اور کسی کے حق کا لحاظ نہیں کیا جاتا، روز بروز مظلوموں پر سخت گزرتا ہے اور یہ ہر روز کسی نہ کسی تنزل اور رنج و الم کا شکار ہوتے ہیں پس اے خلیفہ! مسلمانوں کے امور کے بارے میں خداوند عالم سے ڈر اور بیت نبوت اور مہاجر و انصار کی پناہ گاہ میں امنیت وسکون بحال کردے۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کبھی علی الاعلان واضح طور پر اور کبھی کنایتاً واشارتاً اپنا نظریہ، ظالم و جابر حکمرانوں کے بارے میں بیان فرماتے تھے۔

ابوسعید خراسانی سے نقل ہے: دو آدمی جو کہیں دور دراز علاقے سے آئے تھے، امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی نماز کے بارے میں آپ سے سوال کیا: کیا ہماری نماز قصر ہے یا تمام وکامل ادا کرنی ہوگی؟۔

"فقال لاحدهما وجب عليك التقصير لانك قصدتنى و قال للآخر وجب عليك التمام لانك قصدت السلطان "(۲) آپ نے ان دونوں میں سے ایک سے فرمایا: کہ تم نماز قصر ادا کرو، کیوں کہ تمہارا ارادہ اس سفر سے میری زیارت کرنا تھا، اور دوسرے شخص سے فرمایا تم پر واجب ہے کہ تم مکمل نماز ادا کرو کیوں کہ تمہارا ہدف ومقصد اس سفر سے بادشاہ مامون سے ملنا تھا۔

---

(۱) زندگانی علی بن موسی الرضا علیہ السلام از تاریخ سیاسی اسلام، ص ۱۴۸۔

(۲) الاستبصار، ج ۱، ص ۲۳۵۔ تہذیب الاحکام، ج ۴، ص ۲۲۰۔

اس کی وضاحت احکام شرعی میں بیان کی گئی ہے کہ جب کبھی سفر، سفر معصیت وگناہ ہوتو مسافر اپنی نماز قصر نہیں پڑھ سکتا، بلکہ اسے نماز پوری ادا کرنا ہوگی، اس بناء پر امام نے اپنی گفتگو سے اس نکتہ کی طرف تنبیہ وتاکید کی ہے کہ کسی ظالم وجابر بادشاہ سے ملاقات کے لیے سفر کرنا حرام ہے۔

گمراہ قرابت داروں کی گرفت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کہ جو دینی طور سے عدل و انصاف کا ستون تھے، اگر اپنے قرابتداروں میں کوئی خلاف شرع یا انحرافی بات دیکھتے تھے تو بغیر قرابت ونسبت کو خاطر میں لائے ہوئے انہیں اس بات سے منع فرماتے اور اپنی بیزاری کا اظہار فرماتے تھے۔

حسن بن موسی وشاء بغدادی کہتے ہیں:

میں خراسان میں امام کی خدمت میں حاضر تھا اور اس نشست میں آپ کے بھائی زید بن موسی جو زید النار کے لقب سے مشہور تھے، وہاں موجود تھے اور مسلسل اپنی تعریف کر رہے تھے، کہ ہم اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ہم ایسے عالی رتبہ ہیں ہم ایسے ہیں، ویسے ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام لوگوں سے گفتگو میں مصروف تھے جب زید کی بات چیت سنی تو بے ساختہ اس کی طرف اپنا چہرہ انور کیا اور فرمایا: اے زید! کیا تجھے کوفہ کے لوگوں کی باتوں نے مغرور وانا پرست بنا دیا ہے، کہ ذریت فاطمہ پر، ان کی پاک وپاکیزگی کی وجہ سے آتش جہنم حرام ہے! اگر تمہارے والد گرامی خدا کی اطاعت وپیروی کریں، دن میں روزہ سے رہیں اور رات بھر عبادت میں بسر کریں اور تو خدا کی نافرمانی کرے، اب جب کہ تم دونوں ذریت فاطمہ میں سے ہو قیامت کے دن برابر ہو جاؤ گے؟، (یہ تو انصاف نہیں ہے) تم کو تو اپنے والد سے بھی بہتر ہونا چاہیے تھا جب کہ ایسا نہیں ہے (۱)۔

---

(۱) بحار الانوار، ج۴۹، ص۲۱۷ و۲۱۸۔

یہی شخص جب مامون کے سامنے آیا تو مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے احترام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا احترام کیا، لیکن جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو امام نے اس کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا، تو اس نے امام سے کہا: میں آپ کا بھائی اور آپ کے والد کا فرزند ہوں آپ کیوں میرا جواب نہیں دیتے؟ آنحضرت نے فرمایا: "جب تک تم اطاعت خدا میں مشغول رہو تم سے بھائی کی نسبت اور قرابت درست ہے۔

لیکن جب تم خدا کی بارگاہ میں گناہ و معصیت کر رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان کوئی نسبت اور قرابت نہیں ہے۔(۱)

شیعوں پر عنایت اور شفقت

موسی بن سیار کہتے ہیں: کہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے خدمت میں حاضر تھا کہ اچانک میرے کانوں میں کسی کے گریہ کی آواز آئی۔ امام بغیر کسی تامل و توقف کے اسی آواز کی جانب تشریف لے گئے وہاں پر ایک جنازہ دیکھا کہ جس پر اس کے عزیز و اقارب گریہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت ایک مہربان ماں کی مانند اس جنازے کے قریب ہوئے اور فرمایا: "من تشیع جنازة ولی من اولیائنا خرج من ذنوبه کیوم ولدته امه "جو کوئی بھی ہمارے چاہنے والے کے جنازے میں شریک ہو تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ جیسے وہ بطن مادر سے ابھی پیدا ہوا ہے۔

آنحضرت نے اس مرحوم کی تشیع جنازہ میں شرکت کی اور اس کی قبر تک گئے اور پھر اپنے دست مبارک کو اس کے سینے پر رکھا اور فرمایا: یا فلان ابن فلان ، ابشر بالجنةفلاخوف علیك بعد هذه الساعة "راوی کہتا ہے: میں نے آنحضرت سے سوال کیا: کیا آپ پہلے سے اس آدمی کو پہچانتے تھے؟ فرمایا:

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۹، ص ۲۲۱۔ مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۳۶۱۔

”یا موسی بن سیار ، اما علمت انا –معاشر الآئمة–تعرض علینا اعمال شیعتنا صباحا و مساء، فما کان من التقصیر فی اعمالهم سالنا الله تعالی الصفح لصاحبه ، وما کان من العلو سالنا الشکر لصاحبه “(۱)اے موسی سیار کے فرزند! کیاتم نہیں جانتے ہو کہ ہمارے شیعوں کے اعمال صبح وشام ہمارے سامنے پیش کیے جاتے ہیں؟ اگر اعمال میں کوتاہی وتقصیر ہوتی ہے تو ہم خدا سے دعا والتجا کرتے ہیں کہ وہ اس کو درگزر وعفو کردے، لیکن جب اس کے نیک اعمال زیادہ ہوتے ہیں تو اس کے لیے خدا سے بہترین جزا طلب کرتے ہیں۔

اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ

ہر انسان کی اپنی انفرادی اور ذاتی اہمیت ہوتی ہے وہ اپنی اسی اہمیت وشخصیت کے لحاظ سے معاشرے اور سوسائٹی میں سعی وکوشش کرتا ہے اور سماج وسوسائٹی میں اپنی حیثیت کے مطابق توقع رکھتا ہے کہ لوگ اس کے مقام ومنزلت کے حقوق کا لحاظ کریں، اوراس کا احترام کریں۔

یاسر،حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا خادم کہتا ہے: نیشاپور سے ایک مکتوب مامون کو ملا، اس مضمون کے ساتھ کہ ایک آتش پرست نے مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میرے مال ومتاع کو ضرورتمند اور نادار وغریب لوگوں کے درمیان تقسیم کردیا جائے ،نیشاپور کے قاضی نے اس کا مال غریب ومحتاج مسلمانوں کے درمیان تقسیم کردیا ہے۔

مامون نے اس مسئلہ میں امام سے سوال کیا، آپ نے فرمایا: ایک آتش پرست کبھی بھی مسلمانوں کے لیے وصیت نہیں کرے گا ایک مکتوب نیشاپور کے قاضی کو لکھو اور اس کو حکم دو کہ اسی مال کے برابر مال، بیت المال سے آتش پرست غریب ومحتاجوں کے درمیان تقسیم کرے۔(۲)

---

(۱) مسند الامام الرضا، ج۱،ص۴۱۱۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۶۔

ریان بن شبیب بھی کہتے ہیں: میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے دریافت کیا: میری بہن نے بھی عیسائی گروہ کے متعلق وصیت کی ہے کہ میں اس کا مال عیسائیوں کے درمیان تقسیم کردوں مگر میں یہ چاہتا ہوں کہ میں یہ دولت ان کو نہ دوں بلکہ مسلمانوں کو ہدیہ کردوں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ آنخضرت نے فرمایا: وصیت کو ویسے ہی انجام دو جیسے کہ کہا گیا ہے، خداوند عالم نے فرمایا ہے: ''فمن بدله بعد ما سمعه فانما اثمه علی الذین یبدلونه ''(۱) اگر کوئی وصیت کو سننے کے بعد اس میں تبدیلی کرے تو اس کا گناہ اس کی گردن پر ہے کہ جس نے تبدیلی کی ہے۔(۲)

معاشرے میں خندہ پیشانی سے پیش آنا

معاشرے اور سوسائٹی میں لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور میل ومحبت سے سے پیش آنا، انسان کی شخصیت میں سے ایک اہم عنصر اور انسان کی زندگی کا لب لباب اور سیرت انبیا علیہم السلام ہے۔

دین کے رہنما حتی خود حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے آپ کو لوگوں میں سے شمار فرماتے تھے، اور لوگوں سے محبت سے پیش آتے۔اور لوگوں کے ساتھ معاشرے اور سوسائٹی کے مطابق رویہ اختیار فرماتے تھے۔حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''التودد الی الناس نصف العقل ''(۳) لوگوں سے ملنا جلنا نصف عقلمندی ہے۔

شیخ صدوق ابراہیم بن عباس کے حوالے سے نقل کرتے ہیں حضرت امام علی رضا علیہ السلام لوگوں کے باہمی روابط اور میل جول کے بارے میں کہتے ہیں:

---

(۱) بقرہ/۱۸۱۔

(۲) الکافی، ج۷، ص۱۶۔

(۳) تحف العقول، ص۴۶۷۔

-میں نے کبھی بھی نہیں دیکھا کہ آپ اپنی گفتگو میں لوگوں کے ساتھ تندمزاجی ،اور ناشائستگی سے پیش آئے ہوں۔

-میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی کی بات کو قطع کیا ہو۔

-اگر کسی نے اپنی عرضی وتمنا آپ کے سامنے پیش کی اور ظاہرا اگر آپ اس کو روا فرما سکتے تھے تو کبھی رد نہیں فرمایا۔

-میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ اپنے خدمت گزاروں سے تندروی اور تلخ مزاجی سے ہم کلام ہوئے ہوں۔(۱)

عفواور چشم پوشی

عفودرگزر بہت بڑا عمل ہے کہ جس کو صرف وسیع القلب حضرات ہی انجام دیتے ہیں؛ کیوں کہ کسی کی نیکی کا صلہ و بدلہ دینا آسان ہے لیکن کسی کی بدی و برائی کا اچھائی سے جواب دینا بہت مشکل و دشوار ہے، کہ یہ صرف خدا کے بافضیلت بندے ہی کرتے ہیں، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا عفوودرگزر کرنا خداوندعالم کے عفوودرگزر کی ایک جھلک ہے، کیوں کہ آپ خداوندعالم کی اس صفت "عادتك الاحسان الی المسیئین" کے حامل ومظہر ہیں لہذا جہاں تک ممکن ہوتا تھا لوگوں کی خطاولغزش کو درگزر فرماتے تھے،اور گناہ ومعصیت سے چشم پوشی کرتے تھے۔

جلودی سے درگزرو معاف کرنا، آنحضرت کے کریمانہ عفوودرگزر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔جلودی جو کہ ہارون کے درباریوں میں سے تھا اس نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے چچا محمد بن جعفر کو شکست دینے کے ارادے سے مدینہ پر حملہ کیا، وہ اتنا شقی وظالم شخص تھا کہ وہ مستورات وخواتین پر بھی رحم نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ وہ زوروزبردستی سے مستورات کے زیور چھین لیتا تھا۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲،ص ۱۸۴۔بحارالانوار، ج ۴۹،ص ۹۱-۹۰۔

جس وقت مامون، حضرت کوشہر مرو میں لایا اور آپ سے ولی عہدی کے منصب کوقبول کرنے کی پیشکش کی ،جلودی جو کہ ابھی مامون کے پاس دربار میں موجود تھا، اس نے امام کی ولی عہدی پر سخت اعتراض کیا،اور مامون کے اس ارادے کوبھی نادرست بتا کرامام کی راہ میں کافی مزاحمت ایجاد کی ، یہاں تک کہ مامون مجبور ولاچار ہوگیا کہ اس کوقید خانے میں بھیج دے۔

کافی عرصہ گزرنے کے بعد ذوالریاستین کے وسیلے سے اس کوقید خانے سے باہرلایا گیا،تا کہ اس کے متعلق کوئی دوسرا حتمی فیصلہ کیا جائے ،نشست میں جلودی بھی حاضر تھا،حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی دیکھا کہ وہ بہت بوڑھا اور ضعیف ہوگیا ہے، امام نے مامون کی طرف اپنا چہرہ مبارک کیا اور آہستہ سے فرمایا: اس بوڑھے اور ضعیف آدمی کو میری خاطر معاف کردو؛ جلودی جوحضرت امام علی رضا علیہ السلام کو دور سے دیکھ رہا تھا، اس نے سوءظن کیا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام شاید مامون سے میرے متعلق بدگوئی کرکے اس کے کان بھر رہے ہیں، اور چاہ رہے ہیں کہ مامون اسے سخت سے سزادے، لہذااس نے اس بناء پر مامون سے کہا: میں نے جو آپ کے والد کی خدمت کی ہے اس کے عوض میں اس شخص یعنی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی پیش کش ومشورے پر دھیان مت دو، مامون مسکرایا اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا اس نے اپنے متعلق خود فیصلہ کرلیا اور اس کی خواہش و آرزو ہے کہ میں آپ کی بات نہ سنوں اور آپ کی نصیحت کو رد کردوں، اس کے بعد حکم دیا کہ اس کوقتل کردیا جائے۔(۱)

ضرورتمندوں کی مدد کرنا

ہمارے رہبروں اور رہنماؤں کی بنیادی خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ ضرورتمندوں اور محتاج ومحروم لوگوں کا احترام کرتے ہیں۔

---

(۱) بحارالانوار، ج۴۹،ص ۱۶۷۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی اپنے آباء واجداد کی سیرت وطریقت پر عمل کرتے تھے اوراپنے شیعوں کو زندگی بسر کرنے کے طور طریقوں کی تعلیم دے کر مامون کے رئیسانہ ٹھاٹ باٹ پر ممانعت کی مہر ثبت کر دیتے، آنحضرت نے حاجتمندوں کے ساتھ مہربانی ومشفقانہ سلوک کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا: ''من لقی فقیرا مسلما فسلم علیه خلاف سلامه علی الغنی لقی الله عز و جل یو م القیام و هو علیه غضبان ''(۱) اگر کوئی شخص فقیر ومحتاج مسلمان سے ملے اوراس کو وہ ویسے سلام نہ کرے جیسے وہ امیروں کو سلام کرتا ہے تو قیامت کے دن، خداوند عالم کو اپنے اوپر غیض وغضب میں پائے گا۔

حضرت نے ضرورتمندوں کی حاجت روائی کو بہترین صدقہ جانا اور فرمایا: عونك للضعیف افضل من الصدقة(۲) ضرورتمند کی مدد کرنا بہترین صدقہ ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام صرف غریب محتاجوں کی مدد کے لیے وصیت ونصیحت نہیں کرتے، بلکہ ذاتا خود بھی اس پر عمل پیرا تھے، جس کے دو اہم نمونہ عمل پیش کر رہے ہیں۔

۱- آپ شہر مرو کی طرف ہجرت کرتے وقت غریب وفقیر حضرات کی بستی میں قیام وآرام کرتے اوران کے گھروں میں ان کی اجازت سے داخل ہو کر ان کی دل جوئی کرتے اور محبت وشفقت کا اظہار فرما کر حتی الامکان ان کی مشکلوں کو برطرف فرماتے تھے۔(۳)

۲- مقروضوں کے قرض کو ادا کرتے (۴) یا ان کے قرض کی ضمانت اپنے ذمہ لے لیتے تاکہ قرض واپس لینے والے ان پر سختی نہ کر سکیں۔(۵)

----

(۱) وسائل الشیعہ، ج۸،ص۴۲۲۔

(۲) الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا، ج۲،ص۸۲۔

(۳) بحارالانوار، ج۴۹،ص۱۲۲۔

(۴) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۳۱۴۔

(۵) وسائل الشیعہ، کتاب التجارۃ۔

ماں باپ کا احترام

ماں باپ خصوصی احترام کے قابل ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں خداوند عالم کے شکر کے فوراً بعد ان کے احترام کا ذکر آیا ہے۔(۱) اسی وجہ سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے والدین کا بہت زیادہ احترام و اکرام فرماتے، اور ان کے حقوق کو ادا فرماتے، اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید و نصیحت کرتے، تا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگ اس عظیم ذمہ داری سے بخوبی سبکدوش ہوں اور عاق والدین کے زمرے میں نہ آئیں۔ کیوں کہ عاق والدین (۲) بہت بڑا اور نا بخشا جانے والا گناہ ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عاق شخص کے متعلق فرماتے ہیں: ''یقال للعاق ؛ اعمل ماشئت فانی لا اغفرلك (۳) تو جو چاہے عمل کر لے مگر میں تجھے نہیں بخشوں گا۔ اس لیے تیرے والدین نے تجھ پر نفرین کی ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام والدین کے ساتھ نیکی کرنے کو واجب امر جانتے اور فرماتے ہیں: ''بر الوالدین واجب و ان کانا مشرکین''(۴) والدین کے ساتھ نیکی کرنا واجب ہے اگر چہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔

آنحضرت نے ایک جامع حدیث میں والدین کی اطاعت کو ضروری جانتے ہوئے، اور ان کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے لوگوں کو اس حدیث سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے: تم پر واجب ہے کہ اپنے والد کی اطاعت کرو اور ان کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ ان کے سامنے خاضع اور انکساری سے رہو، ان کو بزرگ جانو، اپنی آواز کو ان کے سامنے دھیمی رکھو، کیوں کہ وہ اصل اور اولاد پر فوقیت رکھتے ہیں۔

---

(۱) لقمان/۱۴۔

(۲) عاق والدین: اس فرزند کو کہتے ہیں کہ جو اپنے والدین کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے ان کی ناراضگی اور لعنت کا موجب ہو۔

(۳) بحار الانوار، ج ۷۴، ص ۸۰۔

(۴) بحار الانوار، ج ۱۰، ص ۳۵۶۔

اے فرزندو! تم اپنی جان و مال، جاہ و مقام سب کو اپنے والد پر نثار کردو کیوں کہ تمہاری جان و مال، جاہ ومقام سب کچھ تمہارے والدین کا عطا کیا ہوا ہے۔

دنیا میں اپنے والد کی اطاعت کرواوران کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی ان کے حق میں دعا کرو۔ اور اگر کوئی اپنے والد کے ساتھ ان کی زندگی میں نیکی اور اچھا برتاؤ کرے اور ان کی موت کے بعد ان کے حق میں دعا و مغرفت نہ کرے وہ شخص عاق والدین شمار ہوگا۔

جان لو کہ ماں کا حق سب سے ضروری و لازم حقوق میں سے ہے، کیوں کہ جہاں پر اس نے تیرا بوجھ برداشت کیا وہاں کوئی بوجھ نہیں اٹھا سکتا تھا، جن مشکلوں کو تیری وجہ سے تیری ماں نے برداشت کیا کوئی دوسرا اس پر راضی نہیں ہوتا، اگر چہ تو اپنی ماں کا حق کبھی بھی ادا نہیں کرسکتا، لیکن اپنی استطاعت وحیثیت کے مطابق اس سے نیک برتاؤ کرو اور شکر گزار رہو۔(۱)

حقوق والدین اور ان کے ضروری احترام کے بارے میں ہم اس نکتہ کا بھی اضافہ کردیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام استاد اور معلم کو والد کے مقام ومنصب کے برابر جانتے ہیں اور اس بارے میں فرماتے ہیں: "معلم الخير والذين يقوم مقام الاب و يجب مثل الذى يجب له فاعرفوا حقه (۲)

اچھا معلم اور دین کی تعلیم دینے والا استاد، والد کے مثل ہے اس کے ساتھ اچھا برتاؤ اور والد کے مثل پیش آنا واجب ہے پس معلم کے حق کو یاد کرو اور اس کو ادا کرو۔

---

(۱) الفقہ المنسوب للامام الرضا،ص۳۳۴، باب ۸۶۔

(۲) الفقہ المنسوب للامام الرضا،ص۳۳۴، باب ۸۶۔

اہل وعیال اور شریک حیات کو عزیز رکھنا

اہل وعیال ایک ایسا مرکز ہے کہ جس میں صفا ومحبت جتنی زیادہ ہوگی اتنی ہی انسان کی توفیقات زیادہ اور زندگی خوب وشیرین ہوگی، اس لیے حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس مرکز کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ عوامل جو اہل وعیال کی صفا ومحبت میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں، مطلع کرتے ہوئے فرمایا: "احسن الناس ایمانا احسنهم خلقا و الطفهم باهله و انا الطفكم باهلی ۔(۱)

اس شخص کا ایمان دوسروں سے زیادہ ہے جس کا اخلاق نیک اور اپنے اہل وعیال پر زیادہ مہربان ہو، اور میں اپنے اہل وعیال کی نسبت تم سب سے زیادہ مہربان ہوں۔

ایک دوسرے مقام پر آپ اہل وعیال کے آرام وآسائش کے اسباب مہیا کرنے کے متعلق فرماتے ہیں: ''صاحب النعمة يجب ان يوسع على عياله ''(۲) اگر کوئی مال ودولت سے سرشار ہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے لیے آرام اور سہولیت کے اسباب فراہم کرے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام، اس بارے میں کہ اپنے اہل وعیال کو زحمت میں نہیں ڈالنا چاہیے، اپنے جد بزرگوار حضرت امام علی علیہ السلام سے نقل فرماتے ہیں: ایک شخص نے آپ کو اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی، امام علی علیہ السلام نے تین شرطوں پر اس کی دعوت کو قبول کیا اور فرمایا: میں تمہارے گھر بطور مہمان اس وقت آؤں گا کہ اول تم گھر کے باہر سے کوئی شئی مہیا نہیں کروگے اور وہی کھانا دسترخوان پر لگاؤگے جو گھر کے اندر موجود ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ گھر میں موجود ہے پیش کرنے سے دریغ نہیں کروگے۔ اور تیسرے یہ کہ اپنے اہل وعیال کو میری ضیافت کے لیے کسی زحمت میں نہیں ڈالوگے۔(۳)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۳۸۷۔

(۲) تحف العقول، ص ۴۶۶۔

(۳) مسند الامام الرضا، ج ۱، ص ۲۹۱۔

قرابت داروں کے حقوق کی حفاظت

اسلام کے اجتماعی قوانین میں، میاں بیوی اور ماں باپ کے بعد اپنے اعزاء اور اقرباء سے میل جول رکھنے کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے، یہاں تک کہ صلہ رحم کو واجب امور میں سے شمار کیا گیا ہے۔

صلہ رحم، انسان دوستانہ کردار کا نام ہے، کہ قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات اس کی اہمیت کے بہت زیادہ قائل ہوئے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے بڑے اجتماع کے لیے نقطہ آغاز اور بنیاد ہے، اور اس رشتے کی اصلاح اور تقویت کے سبب، سماج کے مختلف معنوی، اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی پہلوؤں کی بھی اصلاح وتقویت ہوجاتی ہے۔ اسی لیے مکتب اسلام نے اپنے پیروکاروں سے اس بات کا تقاضا کیا اور واحب جانا ہے کہ وہ اپنے اعزاء واقرباء اور رشتے داروں سے میل جول رکھیں۔

صلہ رحم، معنوی وروحانی، نفسیاتی واجتماعی، اثر کے علاوہ دیگر فوائد بھی رکھتا ہے۔ جیسے رزق میں اضافہ اور عمر کا طولانی ہونا، صلہ رحم کی بعض برکتیں کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے نقل ہوئی ہیں پیش کررہے ہیں؛

''من سرہ ان ینسا فی اجلہ و یزاد فی رزقہ فلیصل رحمہ ''(۱) اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی عمر زیادہ اور روزی میں اضافہ ہو، وہ صلہ رحم کرے۔

آنحضرت نے ایک دوسرے مقام پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا: "اگر کوئی مجھ سے یہ وعدہ کرے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحم کرے گا تو میں اس کے لیے چار چیزوں کی ضمانت اپنے ذمہ لوں گا، خدا اس سے محبت کرے، اس کی روزی میں اضافہ ہو، عمر طولانی ہو اور وہ داخل بہشت ہو۔ (۲)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۹۱۔

(۲) بحار الانوار، ج ۷۱، ص ۹۱۔

اسی طرح صلہ رحم کے آداب میں حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: ''صل رحمك ولو بشرب من ماء و افضل ما توصل به الرحم كف الاذى عنها ''(۱) اپنے قرابت داروں کی ضیافت و مہمان نوازی کرو اگر چہ وہ پانی پلانے کی حد تک ہی ہو، اور بہترین صلہ رحمی کا طریقہ ان کو تکلیف وآزار دینے سے دست بردار ہو جانا ہے۔

خدمت گزاروں کے حقوق کی رعایت اوران کی عزت کا پاس

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے خدمت گزاروں کی عزت وآبرو کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔

یاسر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے خادم کہتے ہیں: حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ہم سے فرمایا: ''اگر کھانا کھانے میں مصروف ہو اور میں آؤں تو اپنی جگہ ومقام سے بلند مت ہونا''۔

اسی لیے اگر آنحضرت کسی غلام کو آواز دیتے تھے، اور پتہ چلتا تھا کہ وہ کھانا کھانے میں مصروف ہے تو فرماتے تھے: ''چھوڑ و اسے کھانا کھانے دو''۔(۲)

وہی راوی مزید کہتا ہے: جس دن آپ زہر سے مسموم ہوئے، نماز ظہر ادا کرنے کے بعد فرمایا: ''کیا گھر والوں، خدمت گزاروں اور ملازموں نے کھانا کھالیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: میرے مولا؛ آپ کو اس زہر سے مسموم حالت میں دیکھ کر کون کھانا کھا سکتا ہے، حضرت امام علی رضا علیہ السلام اس وقت بستر سے بلند ہوئے اور اٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا: دسترخوان بچھاؤ دسترخوان بچھایا گیا، تمام خدمت گزاروں اور ملازموں کو دسترخوان پر بلایا گیا، جب سب کھانا کھا کر سیر ہو گئے، تو آپ ہر ایک کے ساتھ محبت وشفقت سے پیش آئے۔(۳)

---

(۱) بحارالانوار، ج ۷۱، ص ۹۱۔

(۲) فروع کافی، ج ۶، ص ۲۹۸۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۴۴۔

عبداللہ بن صلت کہتے ہیں: میں نے ایک بلخی شخص سے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام جب خراسان کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو میں آنحضرت کے ہمراہ تھا، ایک دن آپ نے سب کو دسترخوان پر بلایا تمام خدمت گزار اور سفید و سیاہ ملازمین دسترخوان پر آ کر بیٹھ گئے، میں نے حضرت سے کہا: میری جان آپ پر فدا ہو، کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کے لیے الگ دسترخوان لگایا جائے؟ حضرت نے فرمایا: ہم سب کا خدا ایک ہے اور ہم سب کے ماں باپ ایک ہیں اور ہر ایک کی جزاء اس کے اعمال پر موقوف ہے۔(۱)

سلیمان جعفری کہتے ہیں: میں کسی کام کے لیے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آنحضرت کے ہمراہ ہو گیا، یہاں تک کہ ہم ایک گھر میں داخل ہو گئے، غلام کام کاج میں مصروف تھے، اور ان کے درمیان ایک سیاہ رو شخص موجود تھا کہ جو حضرت کے خدمت گزاروں میں سے نہیں تھا، امام نے سوال کیا: یہ شخص کون ہے؟ کہا یہ ہماری مدد کرتا ہے اور آخر میں ہم اس کو اس کا حق زحمت دے دیں گے۔ آپ نے فرمایا: کیا اس کی اجرت معین کی ہے؟ جواب ملا: معین نہیں کی لیکن ہم جو کچھ بھی اس کو دیتے ہیں وہ راضی ہے، امام غضبناک ہوئے اور فرمایا: مگر میں نے تم کو منع نہیں کیا تھا کہ بغیر اجرت معین کیے کسی کو کام پر مت رکھنا۔ اور پھر میری جانب رخ کیا اور فرمایا: اگر کسی کو بغیر اجرت معین کیے ہوئے کام کے لیے رکھا جائے اور آخر میں تین برابر اضافہ کر کے اس کو اجرت دے دی جائے تب بھی وہ یہ بدگمانی کرے گا اور اس کے ذہن میں یہ تصور آئے گا کہ اس کا حق ادا نہیں کیا گیا، لیکن اگر اجرت معین و مشخص ہو اور اسی مقدار و تعداد میں اس کو حق زحمت دے دیا جائے تو وہ آپ کا شکریہ ادا کرے گا اور اگر اس کی معین شدہ اجرت سے کچھ زیادہ مقدار میں اس کو دیا جائے تو وہ خوش ہو جائے گا۔(۲)

---

(۱) الکافی، ج۸، ص۲۳۰۔

(۲) الکافی، ج۵، ص۲۸۸۔

جود وسخا اور بزرگی

احسان اور کرم، اہل بیت علیہم السلام کی دوسری اخلاقی عادات وسیرت کی طرح ہے ۔جیسا کہ زیارت جامعہ میں پڑھتے ہیں۔''عادتکم الاحسان و سجیتکم الکرم''

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سخاوت وعطا بھی انتہا وکمال پر تھی بہت سے ضرورت مند افراد امام سے مالی تقاضا کرتے اور امام اپنی شایان شان ان کی مدد فرماتے ۔(۱)

اسی طرح مذکور ہے کہ آنحضرت عرفہ کے دن خراسان میں اپنے تمام مال واسباب کوفقراء و حاجت مندوں میں تقسیم کردیتے، فضل بن سہل کہ جوبغض وحسد کی وجہ سے امام کی جود وسخا کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتا تھا، اس نے کہا: امام کا یہ کام ایک بڑا ضرر وخسارہ ہے، امام نے فرمایا:''یہ کام غنیمت ہے، خسارت نہیں''۔(۲)

یسع بن حمزہ کہتے ہیں: ہم بہت سے افراد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے، اور حلال وحرام اور دیگر موضوعات پر آنحضرت سے سوال کررہے تھے، اسی دوران ایک آدمی داخل ہوا اور سلام کیا اور کہا: اے فرزند رسول! میں خراسانی شخص ہوں حج سے واپس آیا ہوں اور خراسان جارہا ہوں لیکن میرے پاس پیسے ختم ہوگئے ہیں اور کوئی شی میرے پاس نہیں ہے کچھ پیسوں سے میری مدد کریں، جب میں اپنے وطن پہنچ جاؤں گا تو میں اس مقدار میں آپ کی طرف سے صدقہ دے دوں گا امام نے فرمایا : ذرا دیر بیٹھو اور پھر ہمارے سوالوں کے جوابات دینے میں مصروف ہوگئے، یہاں تک کہ سب چلے گئے صرف میں اور دو آدمی امام کے پاس رہ گئے ۔

حضرت اٹھے اور اندر گئے اور کچھ دیر کے بعد دروازے کے پیچھے سے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور فرمایا:

---

(۱) مناقب، ج۱،ص۳۶۰۔

(۲) مناقب، ج۱،ص۳۶۱۔

اے خراسانی! یہاں آ ؤ یہ رقم لو اور اپنے سفر پر خرچ کرو اور ضروری نہیں ہے کہ میری طرف سے صدقہ دو، اس کے بعد جب وہ شخص چلا گیا، دوبارہ امام ہمارے پاس تشریف لائے، ہم نے آنحضرت سے دریافت کیا، آپ نے جو اس خرسانی شخص پر احسان کیا ہے کیوں آپ نے اپنا ہاتھ دروازے کی پشت سے باہر نکالا اور خود باہر کیوں نہیں آئے؟ حضرت نے فرمایا: میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ شرمندگی کے آثار اس کے چہرے پر دیکھوں۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے سخاوت کی عظمت و بزرگی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''السخاء شجرة فی الجنة اغصانها فی الدنیا، من تعلق بغصن من اغصانها دخل الجنة ''(۲) سخاوت جنت میں ایک درخت ہے کہ جس کی شاخیں دنیا میں ہیں اگر کوئی اس کی شاخوں میں سے کسی شاخ پر لٹک جائے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

مہمان نوازی

ضیافت داری و مہمان نوازی ان کاموں میں سے ہے کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی عملی سیرت میں خاص طور پر نمایاں رہا ہے۔ احمد بن ابی نصر بزنطی کی گواہی اس بات پر دلیل ہے کہ وہ کہتا ہے جس وقت کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مجھے اپنے دولت کدہ پر دعوت دی۔

میرے لیے سواری بھیجی، میں سوار ہو کر محضر امام میں حاضر ہوا آپ کی خدمت میں بہت دیر تک رہا تو آپ نے مجھ سے فرمایا: ''آج ہمارے پاس ہی رہو اور کل اپنے گھر چلے جانا'' اس رات امام کے محضر میں قیام کیا، سونے کے وقت آپ نے حکم دیا کہ آنحضرت کا خصوصی بستر میرے لیے بچھائیں۔(۳)

---

(۱) الکافی، ج۴، ص۳۴۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۲۶۸۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۲۱۲۔ بحار الانوار، ج۴۹ ص۳۶۔

اسی طرح مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے یہاں مہمان تھا کافی رات تک حضرت سے محو گفتگو رہا، ناگہاں چراغ کی لو خراب ہوگئی، مہمان نے چراغ کو صحیح کرنا چاہا، حضرت نے اس منع فرمایا اور خود چراغ کی لوٹھک کی اور فرمایا: ہم ایسے خاندان سے ہیں کہ جو مہمان سے کام اور خدمت نہیں لیتے۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مہمان نوازی کے آداب میں فرمایا: ''من حق الضيف ان تمشی معه فتخرجه من حريمك الى الباب ''(۲) من جملہ مہمان کے حقوق میں سے یہ ہے کہ میزبان گھر کے دروازے تک اس کے ساتھ وداع کرنے جائے۔

زہد وتقوی

زہد وتقوی، مردان الٰہی کے لیے ایک اصل اور بنیاد ہے کہ جس سے وہ حال غربت وناداری میں یا عیش وآرام کی حالت میں کبھی غافل نہیں ہوتے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اگر چہ ذاتی رفاہ کے بہت سارے امکانات رکھتے تھے، ولی عہدی کا منصب آپ کے اختیار میں تھا، لیکن پھر بھی اصل زہد وتقوی کو کبھی فراموش نہیں کیا، حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کے جواب میں، کہ جب اس نے کہا تھا میں نے آپ کو فضل وورع اور زہد و تقوی سے پہچانا، فرمایا: ''بالعبودية الله افتخر وبالزهد فی الدنيا ارجو نجاة من شر الدنيا ''(۳) میں خداوند عالم کی بندگی پر فخر ومباہات کرتا ہوں اور دنیا میں زہد وتقوی کے ذریعہ دنیا کی برائی سے نجات پانے کا امیدوار ہوں۔

---

(۱) فروع کافی، ج۶، ص۲۸۳۔

(۲) مسند الامام الرضا، ج۲، ص۳۳۱۔

(۳) بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۲۸۔

دعاومناجات

ان عوامل واسباب میں سے ایک سبب کہ جو انسان کومرکز کمال سے متصل کرتا ہے، دعا ہے۔ حضرت امام علی رضاعلیہ السلام نے دعا کی فضیلت واہمیت کے متعلق فرمایا:''الدعا سلاح المومن و عماد الدين و نور السماوات و الارض ''(۱) دعامومن کا ہتھیار، دین کا ستون،اورآسمان وزمین کا نور ہے۔

آنخضرت جوکہ انسان کی نیک زندگی میں تاثیر دعا سے باخوبی آگاہ تھے، ہمیشہ ذکر خدا آپ کے لبوں پر رہتا(۲) اور بہت سی مشکلوں کو دعا ہی کے ذریعہ حل کرتے تھے۔

جس وقت قحط پڑتا تو صحرا میں جاتے اور دعا فرماتے یہاں تک کہ بارش ہو جاتی۔(۳) اور جب مامون کی جانب سے سختی ہوتی تو اس کی تہدید اور دھمکیوں کا سامنا اور دفاع ،دعا کے ہتھیار سے کرتے۔(۴) حضرت امام علی رضاعلیہ السلام کو شہید کرنے کے ارادے سے کئی مرتبہ ناگہانی حملوں سے بچنا انہیں مواقع میں سے ہے۔

حضرت امام علی رضاعلیہ السلام روزی ومعیشت کی فراوانی کے لیے دوسروں کو تعلیم دیتے تھے کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو پڑھیں:

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۳۷و۹۵۔

(۲) بحارالانوار، ج۴۹،ص۹۲و۹۸۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۷۲۔

(۴) عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۱۹۔بحارالانوار، ج۴۹،ص۱۳۱۔

''یـا مـن یـمـلك حـوائـج السائلین ، یعلم ضمیر الصامتین ، لکل مسئلة منك سمع حـاضر و جواب عتید، ولکل صامت منك علم باطن محیط ، اسئلك بمواعیدك الصادقة ، و ایـادیك الـفـاضـلة ، و رحـمتك الواسعة ، و سلطانك القاهر، و ملکك الدائم ، و کلماتك التـامة ،یـا من لا تنفعه طاعة المطیعین ، و لاتضره معصیة العاصین ،صل علی محمد و آله و ارزقنی من فضلك واعطنی فیما ترزقنی العافی برحمتك یا ارحم الراحمین''(۱)

اے وہ کہ جوضرورت مندوں کی حاجت کو پوری کرتا ہے اور خاموش افراد کے باطن سے آ گاہ ہے، اور جو سوال بھی تجھ سے کیا جاتا ہے، اس کے سننے کے لیے تیار اور جواب دینے کے لیے آمادہ رہتا ہے اور ہر تکلم نہ کرے والی خلقت کے باطن کی خبر اور اس تک رسائی رکھتا ہے۔ تجھ کو تیرے سچے وعدے، عطا کرنے والے ہاتھوں، رحمت کی وسعت، قدرت کی کامیابی، لازوال سلطنت، اور کامل کلام اور اکمل کلمات کے عنوان سے یاد کرتا ہوں، اے وہ کہ جس کے لیے فرمابرداروں کی اطاعت باعث نفع بخش اور گناہ کاروں کی معصیت باعث ضرر نہیں ہے۔ محمد آل محمد پر رحمت نازل فرما، اور مجھ کو اپنے کرم سے روزی عطا کر، اور مجھے روزی کے ساتھ ساتھ مجھے صحت و سلامتی بھی عنایت فرما، اپنی رحمت سے، اے رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

زکریا بن آدم مقری کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے خادم ہیں کہتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ایک روز مجھ کو حکم دیا کہ اپنے درد سے شفا کے لیے اس طرح دعا پڑھوں: ''یـا مـنـزل الشـفـا و مـذهـب الـدا ، انزل علی وجعی الشفا ''(۲) اے شفا دینے والے اور بیماری و درد کو دور کرنے والے میرے درد و الم کا مداوا کر اور شفا نازل فرما۔

---

(۱) الحیاة السیاسیۃ للامام الرضا، ج ۱ ص ۵۱۔

(۲) بحار الانوار، ج ۹۲ ص ۵۵۔

جس زمانے میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے خراسان میں حمید بن قحطبہ کے گھر کو اپنی قیام گاہ قرار دیا، آپ نے اپنا پیراہن دھونے کے لیے حمید کے حوالے کیا، کچھ دیر کے بعد جو خادم حضرت کے لباس کو دھو رہا تھا حمید کے پاس ایک نوشتہ لے کر حاضر ہوا اور کہا کہ یہ نوشتہ مجھے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی قمیص کی جیب سے ملا ہے، حمید اسے لیکر خدمت امام میں حاضر ہوا اور کہا یہ نوشتہ میرے خادم کو آپ کی جیب سے ملا ہے، وہ کیا ہے؟ آنحضرت نے فرمایا: یہ ایک تعویذ ہے کہ جو بھی اسے ساتھ رکھے گا، بلاء وآفات سے محفوظ رہے گا، حمید کہ جو اس دعا کا بہت زیادہ شیدائی وخواہاں تھا امام سے درخواست کی کہ یہ دعا اس کو تعلیم فرمادیں۔ امام نے اس کو لکھوائی، حمید نے اس کو اس طرح لکھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، بسم الله ، انى اعوذ بالرحمن منك ان كنت تقيا او غير تقى، اخذت بالله السميع البصير على سمعك وبصرك ، لا سلطان لك على و لا على سمعى و لا على بصرى ، و لاعلى شعرى، و لا على بشرى، و لا على لحمى، و لا على دمى، و لا على مخى، و لاعلى عصبى، و لاعلى عظامى، و لاعلى مالى، و لاعلى اهلى، و لا على ما رزقنى ربى، سترت بينى و بينك بستر النبوة، الذى استتر به انبياء الله من سلطان الفراعنة، جبرئيل عن يمينى، و ميكائيل عن يسارى، و اسرافيل من ورائى، و محمد صلى الله عليه و آله امامى، والله مطلع على ما يمنعك منى، و يمنع الشيطان منى، اللهم لا يغلب جهله اناتك ان يستفزنى و يستخفنى ، اللهم اليك التجات، اللهم اليك التجات، اللهم اليك التجات۔(۱)

---

(۱) بحار الانوار، ج۹۱ص۱۹۲۔

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو رحمان اور نہایت رحم کرنے والا ہے، خدا کے نام سے میں تجھ سے چاہے پرہیز گار ہو یا نہ ہو خدائے رحمٰن کی پناہ چاہتا ہوں، اس خدائے سمیع وبصیر سے سننے اور دیکھنے میں خداوند عالم سے مدد چاہتا ہوں، تو کوئی حکومت وتوانائی مجھ پر نہیں رکھتا، نہ میری بینائی پر نہ میرے کانوں پر نہ میرے بالوں پر نہ میری جلد وکھال پر نہ میرے گوشت پر نہ میرے خون پر نہ میرے دماغ پر نہ میری رگ جان پر نہ میری ہڈیوں پر نہ مال پر نہ عزیزوں پر نہ اس روزی پر کہ جو خدا نے مجھے عطا کی ہے، میں نے نبوت کے لباس سے، تیرے اور اپنے درمیان فاصلہ ایجاد کر دیا وہ لباس کہ جس کے ذریعہ خدا کے پیغمبروں نے فرعونیوں کی حکومت میں فاصلہ ایجاد کیا، میں جبرئیل سے اپنی دائیں جانب مدد لیتا ہوں میکائیل سے اپنی بائیں جانب اسرافیل سے اپنی پشت پر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر خدا کا درود ہو اپنے سامنے سے، خدایا جو چیز تجھے نوازنے میں مجھ سے روکتی ہے تو جانتا ہے اور جس شی کے لینے سے شیطان مجھے منع کرتا ہے آگاہ ہے۔ خدایا! اس کی جہالت ونادانی تیری بردباری وعطا پر بزرگی وبلندی نہیں پا سکتی کہ مجھے ہلاک کرے، اور ذلیل خوار کرے۔ اے خدا میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اے خدا میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اے خدا میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

قرآن سے محبت ولگاؤ

قرآن مجید، آسمانی کتاب ہے کہ جس کو پڑھنا چاہیے، اس میں تدبر، تفکر کے ساتھ عمل کرنا چاہیے چوں کہ یہ ہدایت کی کتاب (۱) علم وحکمت کی کتاب (۲) اور یاد خدا کی کتاب ہے (۳)

---

(۱) بقرہ/ ۱۸۵۔

(۲) یاسین/ ۲۔

(۳) تکویر/ ۲۷۔

قرآن گرانقدر کتاب ہے(۱) کہ جس میں ہر چیز آشکار و واضح (۲)اور سرچشمہ شفاء و رحمت ہے۔تمام دنیا کے لیے یہ ایک نور ہدایت کی کتاب ہے(۳)اوراس کے معارف ہمیشہ کے لیے منور و روشن ہیں اور یہ زمان ومکان کی حدوں سے بالاتر ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام دوسرے اماموں کی مانند اپنے عمل سے قرآن کی پیروی کے لیے مسلمانوں کے درمیان قرآن کی عظمت بیان فرماتے،اسی لیے آنحضرت صبح وشام قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔(۴)اورارشادفرماتے :اگر میں چاہتا تو تین دن سے کم میں قرآن کی تلاوت کر کے ختم کر دیتا لیکن تدبر وتفکر قرآن اس سے مانع ہوتا ہے۔(۵) آنحضرت کے آداب قرائت قرآن میں آیا ہے کہ جب بھی آپ کسی ایسی آیت پر پہنچتے کہ جس میں جنت وجہنم کا ذکر ہوتو گریہ فرماتے اور خداوند عالم سے بہشت طلب فرماتے اور دوزخ سے خدا کی پناہ مانگتے ۔(۶)امام کوقرآن مجید سے اس قدر محبت تھی کہ آنحضرت کے جوابات دوسروں کوقرآن سے ہوا کرتے تھے۔یہاں تک کہ آپ کے نکات ومثال تک قرآن ہی سے ہوتی تھیں۔(۷)

---

(۱) حجر/۸۷۔

(۲) نحل/۸۹۔

(۳) اسراء/۸۲۔

(۴) بحارالانوار،ج۴۹،ص۹۴۔

(۵) بحارالانوار،ج۴۹،ص۲۔

(۶) بحارالانوار،ج۹۲،ص۲۴۔

(۷) عیون اخبارالرضا،ج۲،ص۱۸۰۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے پیروکاروں کو قرآن کی تلاوت کے بارے میں تاکید کرتے ہوئے فرمایا: اپنے گھر میں ایک وقت قرآن کی تلاوت سے مخصوص کردو۔ کیوں کہ جب بھی کسی گھر میں قرآن کی تلاوت ہوتی ہے تو اہل خانہ کے کام آسان ہوجاتے ہیں، اور خیر و برکت کے دروازے ان پر کھول دیے جاتے ہیں، لیکن اگر کسی گھر میں قرآن کی تلاوت نہ کی جائے تو اس کے اہل خانہ کے رزق و روزی میں مشکلات وسختی پیش آتی ہے۔(۱)

نماز قائم کرنا

نماز کی اہمیت وفضیلت کی وجہ سے ہمارے پیشواؤں نے اپنی تمام روحانی ومعنوی حیات طیبہ میں اس کی جانب خاص توجہ دی ہے۔ جیسا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نماز کو خداوند عالم کی جانب سے اس کے بندوں کے لیے ایک ہدیہ جانتے ہیں اور اس کو خداوند عالم کی معرفت کے بعد انسان کی معنوی زندگی میں سب سے اہم ترین چیز شمار کرتے ہیں۔(۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سجدے بہت طولانی ہوتے تھے، یہاں تک کہ نماز صبح کے بعد سجدے میں جاتے اور سورج کے طلوع ہونے تک سجدے میں رہتے تھے۔(۳) نماز کے اول وقت کو اہمیت دیتے اور اس کے بارے میں فرماتے: شیطان ہر وقت مومن سے خوف وہراس میں رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی پانچوں وقت کی نماز کو اول وقت ادا کرے۔

---

(۱) وسائل الشیعہ، ج۴، ص۸۵۰۔

(۲) مستدرک الوسائل، ج۱، ص۱۷۵۔

(۳) بحار الانوار، ج۴۹، ص۹۰۔

اگر نمازی نماز کے اول وقت کو ضائع کردے اور نماز ادا نہ کرے تو شیطان اس پر قابو اور غلبہ پالیتا ہے اور اس کو بڑے گناہوں میں ڈال دیتا ہے۔(۱)

اس کے ذیل میں ہم چند دوسری روایات کی طرف اشارہ کریں گے۔

۱-ابراہیم بن موسی کہتے ہیں :ایک دن میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں تھا آنحضرت ایک علوی سید کے استقبال کی خاطر شہر سے باہر تشریف لے گئے اسی وقت نماز کا وقت ہوگیا امام نے مجھ سے فرمایا: اذان دو تاکہ نماز پڑھیں میں نے عرض کیا: انتظار کرتے ہیں تاکہ دوسرے دوست بھی پہنچ جائیں،ساتھ میں نماز ادا کریں گے،امام نے فرمایا:''غفر الله لك لا توخرن الصلا عن اول وقتها الى آخر وقتها من غير عل عليك ابدا باول الوقت''(۲) خدا تمہاری مغفرت فرمائے ہرگز بغیر کسی سبب کے اپنی نمازوں کو اول وقت سے دیر نہ کرنا تمہیں چاہیے کہ ہمیشہ نماز اول وقت ادا کیا کرو۔

۲-جن دنوں میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام مختلف ادیان و مذاہب اور مکاتب فکر کے بڑے بڑے عالموں سے مناظرہ کررہے تھے۔عمران صابی کہ جو اپنے وقت کے متکلمین میں ماہر تھا اپنی جگہ سے اٹھا اور آنحضرت سے کہتا ہے میں کوفے ،بصرہ،شام اور عرب کے مختلف خطوں میں گیا ہوں اور میں نے وقت کے تمام متکلم و دانا حضرات سے ملاقات کی اور ان سے بہت سارے سوالات کیے۔

اگر آپ اجازت فرمائیں تو آپ کے محضر اقدس میں سوالات پیش کروں۔

آنحضرت نے فرمایا: اگر اس مجمع کے درمیان کوئی عمران صابی ہے تو وہ تم ہی ہو اس نے کہا میں ہی عمران صابی ہوں پھر اس نے اپنے سوال پیش کیے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا،ج۲،ص۲۸،ح۲۱۔

(۲) مستدرک الوسائل،ج۳،ص۱۰۱۔

حضرت جوابات دیتے گئے یہاں تک کہ نماز کا وقت ہوگیا امام متوجہ ہوئے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے بلند ہوئے اور نماز کا عزم فرمایا اور ارشاد فرمایا: وقت نماز ہے نماز ادا کرتے ہیں۔ نماز کے بعد بحث و گفتگو کریں گے عمران صابئی نے کہا: آقا اب جبکہ میرا دل نرم ہوگیا ہے آپ سے التجا ہے کہ بات کو ادھورا نہ چھوڑیں امام نے مناظرے کو چھوڑ دیا اور نماز کو ادا کرنے کے بعد دوبارہ مناظرے کا سلسلہ جوڑ دیا۔(۱)

۳۔حضرت امام علی رضا علیہ السلام کہ جو نافلہ نمازوں کی اہمیت خصوصا نماز شب سے آگاہ تھے خود بھی اس کے پابند تھے اور اپنے پیروکاروں کو بھی اس کی سفارش فرماتے جیسا کہ فرمایا:" رضوان اللہ تعالی الصلوۃ باللیل "(۲) یعنی نماز شب خدا کی رضایت وخوشنودی کا سبب ہے اسی لیے آپ کم سوتے تھے اور زیادہ تر رات عبادت میں گزارتے تھے۔(۳)

رجا بن ابی ضحاک (۴) کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مدینے سے شہر مرو لانے پر مامور کیا گیا تھا، وہ کہتا ہے: میں نے نہیں دیکھا کہ پورے سفر میں آنحضرت کی نماز شب چھوٹی ہو۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہر روز کی نافلہ اور نماز شب کے علاوہ نماز جعفر طیار بھی ادا فرماتے تھے۔(۵)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۱ص۱۵۴۔ بحار الانوار، ج۱۰،ص۲۹۹۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ، ج۱،ص۴۱۲۔

(۳) بحار الانوار، ج۴۹ص۹۱۔

(۴) وہ بنی عباس کی حکومت خصوصا مامون کی خلافت میں مالیات وٹیکس وصول کرنے کے عہدے پر فائز تھا۔

(۵) بحار الانوار، ج۴۹،ص۹۳و۹۴۔

روزے کا اہتمام

حضرت امام علی رضا علیہ السلام واجب روزوں کے علاوہ مستحب روزوں کو بھی اہمیت دیتے تھے اسی لیے ہر مہینے کے اول، وسط اور آخر میں روزے رکھتے تھے، انہوں نے انہیں روزوں کے بارے میں فرمایا: ''ذالك صوم الدهر ''(۱) یعنی ان تین دنوں میں روزہ رکھنا پورے سال روزے رکھنے کے برابر ہے۔

امام کا یہ کلام کہ ان تین دنوں میں روزے رکھنا تمام پورے سال کے روزے رکھنے کے برابر ہے یہ قرآن کی اس آیت کا ترجمان ہے: ''من جا بالحسنة فله عشر امثالها ''(۲) یعنی اگر کوئی نیک کام انجام دے تو خدا سے نیکی کا دس برابر صلہ پائے گا۔

اس بنا پر اگر کوئی ہر مہینے میں تین روزے رکھے تو وہ ایسے ہی ہے کہ جیسے تیس دنوں کے روزے رکھے ہیں اور اگر اسی طرح کوئی ہر مہینے میں تین روزے رکھے گویا وہ پورے سال روزے سے رہا ہے۔

خوشحالی اور راز زندگی

معنوی اور جسمانی مسرت، اچھی تفریح اور خوشی وشادمانی انسان کی روحانی اور نفسیاتی ضروریات میں سے ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اپنے کام اور مصروفیت کی بدولت یا دیگر مسائل کی وجہ سے اس سے غافل ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام وقت وزمان سے صحیح فائدہ اٹھانے اور زندگی کے لمحات سے لطف اندوز ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کرو۔ کچھ وقت اپنے خدا سے خلوت وتنہائی میں راز ونیاز کے لیے۔

---

(۱) بحارالانوار، ج۴۹، ص۹۱۔

(۲) انعام/۱۶۰۔

کچھ وقت روزگار کے حصول اور زندگی کے اخراجات فراہم کرنے کے لیے۔ کچھ وقت معاشرے سے میل جول اور اپنے برادران دینی سے ملاقات کرنے کے لیے۔ اور چھوتھا حصہ سالم کھیل وتفریح اور مباح وحلال لذتوں کے لیے معین کرو۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام، زندگی میں خوشی ومسرت کی ضرورت کے متعلق فرماتے ہیں: ''کان عیسی یبکی و یضحك و کان یحی یبکی و لایضحك و کان الذی یفعل عیسی افضل '' حضرت عیسی ہنستے بھی تھے اور روتے بھی، لیکن جناب یحی صرف گریہ فرماتے اور ہنستے نہیں تھے اس بارے میں حضرت عیسی کا طرز عمل اچھا تھا۔(۲)

اس کا خیال رہے کہ ہنسی مذاق اور لطیفہ گوئی جب تک اپنی حد سے تجاوز نہ کرے خوب ہے۔ کیوں کہ اس حد تک خوشی ومسرت اور مذاق کی انسان کی زندگی میں ضرورت ہے اور مکتب اسلام میں بھی اس کی سفارش کی گئی ہے لیکن اگر مذاق حد سے بڑھ جائے، اور سبک وچھچورے پن تک پہنچ جائے یا یہ کہ کسی کی عزت وآبروریزی کا سبب قرار پائے تو برا کام ہے۔

حضرت امام علی علیہ السلام اس بارے میں فرماتے ہیں: ''من کثر مزاجه استخف به و من کثر ضحکه ذهبت هیبته ''(۳) جو بھی زیادہ مذاق کرتا ہے وہ ہلکا (کم عزت) ہوجاتا ہے اور جو زیادہ ہنستا ہے اس کی ہیبت کم ہوجاتی ہے۔

---

(۱) بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۳۴۶۔

(۲) میزان الحکمة، ج ۷، ص ۲۲۸۔

(۳) الکافی، ج ۸، ص ۲۲۔

مناظر فطرت اور فضاء زندگی سے درست استفادہ کرنا

قرآن کے زاویہ نظر سے انسان کا اس کی فطرت سے تعلق اور رابطہ مثبت اور زندگی ساز ہونا چاہیے کیوں کہ اس نظام ہستی کو خلق کرنے والے کا ارادہ اسی سے متعلق ہے۔ جیسے ستارے و کہکشاں، چاند و سورج،(۱) زمین، دن ورات،(۲) نہریں(۳) دریا و سمندر (۴) اور وہ سب جو زمین و آسمان میں ہے(۵) یہ سب کی سب چیزیں انسان کے اختیار میں قرار دی ہیں تا کہ وہ ان سب کو اپنے تصرف میں لا کر اپنی ضروریات پوری کرے اور لطف اندوز ہوسکے۔

انسان کی ذمہ داری دیگر اشیاء عالم کے حوالے سے الگ ہے، نہ صرف یہ کہ انہیں خدا کی علامتوں میں سے علامت جانے اور ان کے استعمال کرنے زیادتی و اسراف نہ کرے۔ بلکہ ان کی نمود و بقاء کے لیے کوشاں رہے یہ دستور دنیا بنانے والے کا ہے کہ زمین کی زندگی کی ذمہ داری اس نے انسان کے سپرد کی اور فرمایا: ''ھو انشا کم من الارض و استعمر کم فیھا ''(۶) اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس کی آبادی و بستی تم سے چاہی ہے اس آیت سے استفادہ کیا جاتا ہے کہ کلی طور پر زندگی کی فضاء کو صحیح و سالم بنانا اور اس کی حیات کو آباد کرنا انسان کی طینت میں رکھا گیا ہے اور اس ذمہ داری سے دست برداری ممکن نہیں۔ حضرت امام علی علیہ السلام نے مالک اشتر کے نام خط میں جس طرح اس موضوع کے بارے میں تاکید کی ہے وہ اس بات پر دلیل ہے:

---

(۱) نحل/۱۲۔

(۲) ملک/۱۵۔

(۳) ابراہیم/۳۳۔

(۴) نحل/۱۴۔

(۵) جاثیہ/۱۳۔ (۶) ہود/۶۱۔

''ضروری ہے کہ زمین کو آباد کرنے کی سعی و کوشش، مالیات ولگان جمع کرنے سے پہلے ہو کیوں کہ بستی کو بسانے اور زمین کو آباد کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے، اور اگر کوئی اس کے برخلاف کرے تو زمینوں کو اجاڑنے اور انسانوں کی بربادی کا سبب بنے گا"۔(۱)

اس بنا پر جو زمین کو آباد کرنے کے بجائے اس کو ویران کرے اور پودے اور درخت لگانے کے بجائے درخت اکھاڑے اور پھولوں کی کاشت کے بجائے ان کر برباد کرے اور دریا وصحرا کی درستی کے بدلے ان کو آلودہ وخراب کرے تو وہ اسلامی معاشرے اور کلچر میں فاسد انسان اور ذمہ داری سے گریز کرنے والوں کے زمرے میں آتا ہے۔(۲)

اگر چہ خداوند عالم نے مختلف حیوانات، انسان کے اختیار میں دیے ہیں تا کہ وہ بعض سے بار برداری کا کام لے سکے اور بطور سواری استعمال کر سکے اور ان میں سے بہت سوں کے دودھ اور گوشت سے استفادہ کرے۔لیکن اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ حیوانوں سے متعلق بہت سی ذمہ داریاں بھی ہیں اور ان سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے ''فانکم مسئولون حتی عن البقاع و البھائم''(۳) تم حتی گھروں اور حیوانوں کے بارے میں جواب دہ اور ذمہ دار ہو۔

اسلامی مضامین میں ''حقوق حیوان'' کے عنوان سے بحث کی گئی ہے کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حیوانوں کی بنسبت انسان کی کیا ذمہ داریاں ہیں۔کافی مقدار اور بروقت پانی، گھاس دینا حیوان کی طاقت کے مطابق وزن سوار کرنا اور آزار و تکلیف نہ دینا، یہ سب ان ہی ذمہ داریوں میں سے ہیں۔(۴)

---

(۱) نہج البلاغہ، خط۵۳۔

(۲) انتظار بشر از دین، خط ۲۵،ص ۸۸۱۔

(۳) نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۶۔

(۴) نہج البلاغہ، خط ۲۵۔من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲،ص ۱۸۷۔وسائل الشیعہ، ج ۷،ص ۳۵۱۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی دیگر مخلوقات کو صحیح و سالم رکھنے اور ان کی ذمہ داریوں کے قبول کرنے والے تھے۔ اس طرح کہ شہر مرو کی جانب سفر کرتے ہوئے کبھی آپ کوئیں کھودتے (۱) تو کبھی اپنے ہاتھوں سے درخت و پودے لگاتے تھے۔ (۲)

جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور میں اس مقام پر پہونچے کہ جس کو آج قدم گاہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، چشمہ دیکھا کہ جس میں بہت کم پانی تھا تو حکم دیا کہ اس چشمہ کی صفائی کریں اور اس کے کنارے حوض بنائیں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس حوض میں غسل فرمایا اور پھر اس چشمہ کے کنارے نماز ادا فرمائی۔ (۳)

اور یہ بھی روایت میں ہے کہ جس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام شہر نیشاپور میں داخل ہوئے آپ شہر کے مغربی علاقے "بلاش آباد "محلّہ میں ایک عورت کے گھر میں جس کا نام "پسندیدہ "تھا قیام پذیر ہوئے۔ (۴)

آپ نے اس عورت کے گھر کے صحن کے ایک گوشہ میں بادام کا درخت لگایا کہ جو ایک سال گزرنے کے بعد پھلدار ہوگیا۔ جب تک وہ درخت اپنے مقام پر تھا لوگ اس کے پھل اور پتوں سے شفاء حاصل کرتے تھے۔ (۵)

---

(۱) بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۲۵۶۔ و ج ۴۹، ص ۱۲۵۔

(۲) بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۱۲۱۔

(۳) بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۱۲۳۔

(۴) یہ یاد رہے کہ اس خاتون کی قبر شہر نیشاپور میں جناب بی بی شطیطہ کی قبر کے کنارے ہے۔

(۵) بحار الانوار، ج ۱۷، ص ۱۲۱۔

حضرت پیغمبرا کرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم سبزے زاروں کی حفاظت اور زندگی کی فضاء کوصحیح وسالم رکھنے کی اہمیت کے بیان میں اس طرح فرماتے ہیں کہ کسی ایک پیاسے اور سوکھے درخت کو سیراب کرنا، کسی مومن کوتشنگی کے خطرے سے نجات ورہائی دینے کے مترادف ہے۔(۱)

زیبائش

زیبائش وخوبصورتی ایک محبوب اور پسندیدہ کام اور پیغمبروں کے اخلاق میں سے ہے جیسا کہ حضرت امام علی رضاعلیہ السلام نے فرمایا:''من اخلاق الانبیا التنظف ''(۲)اسی وجہ سے زیبائش و خوبصورتی تعلیمات اسلامی اور ہمارے آئمہ کی سیرت وکردار میں قابل توجہ قرار دی گئی ہے۔

حضرت امام علی رضاعلیہ السلام نے اس ذیل میں فرمایا:''ان اللہ تبارك و تعالی یحب الجمال و التجمل و یبغض البس و التباس ''(۳)خداوند بزرگ وبرتر آرائش وزیبائی کومحبوب رکھتا ہے اور بے ترتیبی وپھوڑپن کو دشمن رکھتا ہے۔زیبائش وخوبصورتی کی حد، افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کی روش ہے۔گراں قیمت ومہنگے کپڑے پہننایا نئے گراں قیمت نامناسب کپڑے زیب تن کرنایا بے ڈھنگا لباس پہن کراپنی غربت وفقیری کا تماشہ کرنا ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہمارے معصومین کی حدیثوں اور نہ ہی ان کی سیرت وکردار میں نظر آتا ہے۔

حضرت امام علی رضاعلیہ السلام ہمیشہ ظاہری طور پر آرائش اور اپنے کوسنوار کر لوگوں کے درمیان آتے تھے یہاں تک کہ بعض صوفیوں اور زاہدنما لوگوں نے اعتراض کیا۔(۴)

---

(۱) وسائل الشیعہ، ج۱،ص۲۵۔

(۲) تحف العقول،ص۴۲۲۔

(۳) تحف العقول،ص۴۲۲۔

(۴) کشف الغمہ، ج۲،ص۸۲۵۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر چہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ظاہرا لوگوں سے میل جول کے وقت زیبائش وخوبصورتی سے آراستہ ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ نمائش اور ہر طرح کے اسراف سے پرہیز کرتے تھے۔

دوسرا مطلب جو یہاں پر اضافہ کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ مردوں کا اپنے گھر میں زیبائی وآرایش سے مزین ہونا ہے۔ہم کو چاہیے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے درس حاصل کریں کہ وہ زیبائش اور خوبصورتی کو اپنے گھر میں اہل وعیال کی تربیت کے لیے بہت اچھا جانتے ہیں۔جیسے کہ اپنے آبا و اجداد سے اس بارے میں روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بنی اسرائیل کی عورتوں سے عفت و پاکدامنی محض اس لیے رخصت ہوئی کہ ان کے شوہر خود کو سجاتے اور سنوارتے نہیں تھے، پھر اضافہ کیا:''انها تشتهی منك مثل الذی تشتهی منها''(۱)عورت بھی مرد سے وہی توقع رکھتی ہے جو مرد عورت سے رکھتا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کہ جو مردوں کے گھر میں بن سنور کر رہنے سے کاملا آگاہ تھے خود بھی اس چیز کے پابند تھے۔ابن جہم کہتے ہیں: میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں تھا، دیکھا کہ آنحضرت بالوں میں خضاب لگائے ہوئے ہیں میں نے کہا: میں آپ پر قربان ہوجاں! کیا آپ نے بالوں کو رنگ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:''بالوں کو رنگ کرنا جزاء وثواب رکھتا ہے اور مردوں کو زیبائش و خوبصورتی اس چیز سے ہے کہ جو چیز ان کی عورتوں کی پاکدامنی اور عفت کا باعث بنے اور اگر عورتوں نے عفت و پاکدامنی کو چھوڑ دیا تو اس کی یہی علت ہے کہ ان کے شوہر اپنے آپ کو سجاتے اور سنوارتے نہیں ہیں۔(۲)

---

(۱) بحارالانوار، ج۱۰۰،ص۲۴۹۔

(۲) مکارم الاخلاق،ص۸۹۔

ذاتی پاکیزگی

حضرت امام علی رضا علیہ السلام طہارت و پاکیزگی اور صفائی وستھرائی پر خاص توجہ دیتے تھے:

۱- ہر روز صبح، مسواک کرتے اور کندر چبا کر اس سے اپنے دہن کو معطر کرتے۔(۱)

۲- اچھی خوشبو کو پسند فرماتے اور خود بھی استعمال کرتے۔(۲)

۳- ہمیشہ صاف وشفاف پانی سے غرغرہ کرتے اور کلی فرماتے۔(۳)

لباس پہننے کے آداب

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کپڑوں کے انتخاب اور استعمال کرنے میں حد درجہ نفاست پسند تھے کہ آپ جب کسی تقریب ونشست میں شریک ہوتے تھے تو بہترین اور مناسب لباس زیب تن فرماتے تھے۔(۴) لیکن اپنے گھر میں کھدرا، سستا اور معمولی لباس زیب تن کرتے تھے۔(۵) اسی طرح آپ نیا لباس زیب تن فرماتے وقت قرآن کے سوروں میں سے سورہ توحید، سورہ کافرون اور سورہ قدر کی دس مرتبہ تلاوت فرماتے تھے۔(۶)

کھانا کھانے کے آداب

اس فصل میں جس چیز کا ذکر کرنا ضروری ولازم ہے وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا کھانا تناول کرنے کا طریقہ وسلیقہ ہے۔ کہ جس میں سے بعض کی جانب ہم اشارہ کررہے ہیں:

---

(۱) مسند الامام الرضا، ج۱، ص۳۹۔

(۲) بحارالانوار، ج۷۷، ص۹۷۔

(۳) امام رضا اسوہ صراط مستقیم، ص۷۶۔

(۴) بحارالانوار، ج۴۹، ص۸۹۔ عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۷۸۔

(۵) بحارالانوار، ج۴۹، ص۸۹۔ عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۷۸۔(۶) وسائل الشیعہ، ج۳، ص۳۷۲۔

۱- کھانے کی ابتدا نمک سے فرماتے۔(۱)

۲- کھانا وتناول فرمانے سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے اور خشک نہیں کرتے تھے اور کھانے کے بعد ہاتھوں کو دھوتے اور خشک فرماتے تھے۔(۲)

۳- گرم گرم کھانا تناول فرمانے سے احتیاط فرماتے۔(۳)

۴- کھانے سے فراغت کے بعد تھوڑی دیر سیدھے لیٹتے اور دائیں پیر کو بائیں پیر پر رکھتے۔(۴)

۵- آہستہ کھانا کھاتے اور پوری طرح سیر ہونے سے پہلے دسترخوان سے بلند ہو جاتے۔(۵)

۶- بچی ہوئی غذا و کھانے کو دور نہیں پھینکتے تھے اور اگر دوبارہ اس سے استفادہ کرنا ممکن نہیں ہوتا تو حکم دیتے کہ یہ ضرورتمندوں کو دیدیا جائے۔(۶)

۷- دسترخوان پر گری ہوئی غذا و کھانے کو اکھٹا کرتے اور کھا بھی لیتے اور اس عمل کے اجر و ثواب کے سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا قول نقل فرماتے: ''الذی یسقط من المائدہ مھور حور العین''(۷) دسترخوان پر گرے ہوئے کھانے اور روٹی کے ٹکڑے حور العین کا مہر ہیں۔

۸- کبھی بھی کھانے میں اسراف نہیں کرتے تھے۔

---

(۱) بحارالانوار، ج ۶۶، ص ۴۰۰-۳۹۴۔

(۲) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۴۷۶۔

(۳) بحارالانوار، ج ۶۶، ص ۴۰۳-۴۰۰۔

(۴) وسائل الشیعہ، ج ۱۶، ص ۵۰۰۔

(۵) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۳۶-۳۷۶۔

(۶) بحارالانوار، ج ۴۹، ص ۹۷۔

(۷) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۳۴۔

مرحوم کلینی آنخضرت کے خادم یاسر کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک دن امام کے غلاموں نے پھل کھائے اور باقی بچے ہوئے آدھے پھل کو دور پھینک دیے آنخضرت نے جب اس اسراف کو دیکھا تو غضبناک ہوئے اور فرمایا: ''سبحان الله ان کنتم استفیتم فان اناسا لم یستفنوا اطعموا من یحتاج الیه ''(۱) سبحان اللہ اگر تم نے دل بھر کر من پسند پھل کھالیے تو باقی ضایع مت کرو، بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو ان کے طلبگار ہیں یہ ان کو کھلا دو۔

---

(۱) الکافی، ج۶، ص۲۹۷۔ بحار الانوار، ج۴۹، ۱۰۲۔

تیسری فصل

حضرت امام رضا کی علمی شخصیت

تیسری فصل

حضرت امام رضا کی علمی شخصیت

بدیہی ہے کہ اماموں کی معنوی اور اخلاقی شخصیت کے مابین علمی شخصیت کا رابطہ بھی کافی گہرا ہے، اسلامی فکر ونظر میں معنویت واخلاق کی بنیاد معرفت وآ گاہی پر ہے اور جو چیز انسان کے کردار کو احسن و نیک اور اس کی شخصیت کو بلند وبالا مقام بخشتی ہے اور اس کی نابلد ونامعلوم، اندرونی فکر ونظر اور استعداد و صلاحیت کو علم وآ گاہی کے سمندر سے نزدیک اور اس کو جاننے اور سمجھنے پر ابھارتا ہے وہ علم ومعرفت کا عنصر ہے۔

ہم اس فصل میں کچھ مختلف زاویوں سے عالم آل محمد کے لامتناہی علم ومعرفت کے بارے میں جستجو کریں گے۔

انبیاء کے علم کے وارث

قانون یہ ہے کہ ہر طالب علم، معلم واستاد کی تلاش میں جائے لیکن اس مقام پر تمام امام استثنا ہیں اسی لیے حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی عام لوگوں سے منفرد اور جدا ہیں، نہ یہ ہے کہ صرف منفرد بلکہ آپ نے بھی اپنے جد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علم کو وراثت میں پایا،

اور آپ خود بھی علم کے ابواب کھولنے والے اور سرچشمہ علم وفضیلت تھے،علم ودانائی کے پیاسے لوگ ،آپ کی عقل و دانائی اور علم و دانش کے چشمہ پرفیض سے سیراب ہوتے تھے،اور اپنی مشکلوں اور دشواریوں کی تشنگی کو امام کے سامنے پیش کر کے ان مشکلوں کے حل سے آگاہ ہوتے تھے۔

شیعوں کے اماموں میں سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلام کے پھیلانے کے لیے کافی فرصت پائی اگر چہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو بہت کم فرصت نصیب ہوئی لیکن آپ نے مناظروں اور علمی مباحثوں میں شرکت فرما کر حقائق دین کو آشکار اور اپنے علمی مقام کو واضح فرمایا یہاں تک کہ آپ کو عالم آل محمد جیسے القاب سے پکارا جانے لگا۔

اس گفتگو میں ہم حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی علمی شخصیت کے محور پر کچھ بیان کریں گے

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے علم ومعرفت کا دائرہ ان چیزوں میں سے ہے کہ جو امام کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے ۔امام کا علم الہیات ، ادیان اور آسمانی کتابوں کا علم،علوم ومعارف قرآنی،مباحث اصول وفقہ وغیرہ اور دیگر تمام علوم پر عبور ودسترسی رکھنا آپ کے علم ودانش پر دلالت کرتی ہیں۔آئمہ طاہرین علیہم السلام ان روایات کی بنا پر کہ جو بزرگان دین سے نقل ہوئی ہیں،علوم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث ہیں۔(۱)

ان حدیثوں کے علاوہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اسی سلسلے کی ایک حدیث میں فرماتے ہیں: خداوند عالم کا ارشاد ہے: اے محمد! آپ پر،ابراہیم ،موسیٰ وعیسیٰ پر جو وحی کی ہے وہ آپ کے بعد آئمہ تک پہنچے گی پس خداوند عالم نے پیغمبروں کے علوم کو ہمارے سپرد کیا ہے اور ہم اولوالعزم پیغمبروں کے وارث ہیں۔(۲)

---

(۱) الکافی، ج ۱، آئمہ طاہرین علیہم السلام،علوم کے وارث کے ابواب میں۔

(۲) الکافی، ج ۱،ص ۳۲۵۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے علم و معرفت الٰہی سے بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے پدر بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کسب فیض فرمایا۔(۱) جب کہ حضرت کی عمر مبارک بیس سال سے زیادہ نہیں تھی مسجد نبوی میں لوگوں کے سوالوں کا جواب عنایت فرماتے تھے۔(۲)

اسی طرح عبداللہ بن جندب سے روایت ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ایک خط انہیں لکھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ہمارا خاندان آنحضرت کا وارث ہے پس ہم زمین پر خدا کے امین ہیں اور حقائق امر ہمارے پاس ہیں۔(۳)

اور ہمارے آئمہ کے علم کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ ہر زمانے کے حادثات و واقعات سے آگاہ ہوتے ہیں جیسا امام صادق فرماتے ہیں: ''جو کچھ زمین و آسمان اور جنت و جہنم میں ہے، میں سب جانتا ہوں اور آنے والے واقعات اور گزرے ہوئے واقعات سے آگاہ ہوں''(۴)

اسی ذیل میں وشا کوفی سے نقل ہوا ہے وہ کہتے ہیں: میں نے چند مشکل مسائل ایک خط میں لکھے تا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں لے جاؤں اور ان سوالوں کے جوابات دریافت کروں۔صبح جلدی بیدار ہو کر آستانہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر پہنچا لیکن اژدہام و جم غفیر کے سبب میں امام کی زیارت سے شرفیاب نہ ہو سکا اتنے میں امام کا ایک خادم میرے پاس آیا اور کہا حسن بن علی وشا کون ہے میں قریب گیا اور کہا: میں ہوں، اس نے مجھے ایک نوشتہ دیا اور کہا یہ ان سوالوں کے جوابات ہیں جو تمہارے پاس ہیں۔

---

(۱) کشف الغمہ، ج۲،ص۲۹۰۔عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۴۳۹۔

(۲) تہذیب التہذیب، ج۷،ص۳۳۹۔

(۳) الکافی، ج۱،ص۳۲۴۔۳۲۵۔عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۴۴۸۔

(۴) الکافی، ج۱،ص۳۸۸۔

میں اس اتفاق پر حیران رہ گیا اور حضرت کی امامت پر یقین واطمینان حاصل ہوا اور مذہب واقفیہ سے جو امامت موسیٰ کاظم علیہ السلام پر امامت کو محدود کرتا تھا، سے دستبردار ہوگیا۔(۱)

عالم آل محمدؐ

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا علم اس قدر آشکار اور نمایاں تھا کہ آپ کے والد نے آپ کا لقب ''عالم آل محمدؐ'' رکھا، محمد بن اسحاق اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے فرزندوں سے یوں سفارش فرماتے: ''یہ تمہارا بھائی علیؑ، عالم آل محمدؐ ہے دینی مسائل میں اس سے سوال کرو اور جو یہ تم سے کہے اسے حفظ کرلو، میں نے اپنے والد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کئی بار سنا ہے کہ مجھ سے فرماتے تھے: حقیقت میں عالم آل محمدؐ تمہاری صلب میں ہے اور اے کاش میں بھی اس زمانے میں ہوتا اس نام بھی امیر المومنین کی طرح علیؑ ہوگا''۔(۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام عالم اہل بیت کی حیثیت سے علمی سطح پر مختلف علمی حلقوں میں مشہور اور بے مثال تھے، علمی مسائل کے ذیل میں آپ کا ہر قول وفرمان منفرد اور دیرپا اثرات کا حامل رہا ہے۔

مناظروں میں، مذاہب وادیان کے مختلف رہبروں اور رہنماؤں یا پھر اسلامی مفکروں کی جانب سے جو کچھ شبہات یا سوالات پوچھے جاتے تھے آپ بڑے اطمینان سے جواب دیتے تھے اور جدیت کے ساتھ مختلف مشکل مسائل کا عاقلانہ حل بیان فرماتے تھے۔

مشہور ومعروف حدیث ثقلین کے مطابق کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہارے لیے دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کتاب خدا اور اپنے اہل بیت، تمام آئمہ معصومین علیہم السلام قرآن مجید کے ہم وزن ہیں اور یہ ہر کسی سے تفسیر وتاویل قرآن کے علوم میں حرف آخر ہیں۔

---

(۱) بحوث فی الملل والنحل، ج۸، ص۳۷۹۔

(۲) اعلام الوری، ص۵۸۷۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے ذیل میں ''مـا یـعـلـم تـاویـلـه الاالله والراسخون فی العلم ''(۱) روایت ہے:''نحن الراسخون فی العلم و نحن نعلم تاویله ''(۲) راسخون فی العلم ہم اہل بیت ہیں اور حقیقت میں ہم قرآن کریم کی تاویلوں کو جانتے ہیں اور اسی طرح حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے لیے تاریخ گواہ ہے کہ آپ بھی دیگر اماموں کے مثل اپنے زمانے کے عالم اور داناترین شخص تھے۔

لازمی امر ہے کہ علم، عالم اور اعتقادی واجتماعی مسائل وغیرہ آپ کی نظر میں بہت اہمیت کے حامل تھے۔ ابراہیم بن عباس حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی علمی شخصیت کے بارے میں اس طرح بیان کرتے ہیں:''مـارائـت الـرضـا یسـال عن شئی قط الا علم، ولا رائت اعلم منه بما کان فی الزمان الاول الی وقته و عصره ، و کان المامون یمتحنه بالسوال عن کل شیء فیجیب فیه ، و کـان کـلامـه کـله وجوابه و تمثله انتزاعات من القرآن ''(۳) میں نے ہرگز نہیں دیکھا کہ امام نے کسی سوال کا جواب نہ دیا ہو، آج تک ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا اور کئی بار مامون نے آنحضرت سے مختلف سوال ومسائل معلوم کیے اور حضرت کا امتحان لینا چاہا، آنحضرت جواب عنایت فرماتے تھے اور جو جواب اور مثال بھی دیتے یا جو کلمات فرماتے وہ سب قرآن مجید کی اساس پر ہوتے تھے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام خود اس ذیل میں فرماتے ہیں ۔"میں مدینے میں حرم پیغمبر میں بیٹھتا تھا اور جب کبھی بھی مدینے کے علماء کسی مشکل مسئلہ میں گرفتار ہوتے۔

---

(۱) آل عمران/ ۷۔

(۲) الکافی، ج۱،ص۳۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۸۰۔ کشف الغمہ ، ج۳،ص۱۰۷و۱۵۷۔ تہذیب التہذیب، ج۷،ص۳۳۹۔ اعلام الوری،ص۵۸۸۔

اوراس کے حل سے عاجز وناتواں ہوجاتے تو میری طرف رخ کرتے اور جواب پاتے تھے۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے علم کا مخالفین کو اعتراف

روایتوں اور تاریخ کے مشاہدے سے پتا چلتا ہے کہ آنحضرت کے چاہنے والے ہی نہیں بلکہ آپ کے دشمنوں نے بھی آپ کے علم اور دانائی کا اعتراف کیا ہے۔

میں علی بن محمد جہم جو کہ ناصبی اور دشمن اہل بیت ہے وہ اعتراف کرتے ہوئے اس ضمن میں کہتا ہے: میں مامون کی تقریب ونشست میں موجود تھا وہاں حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی موجود تھے مامون کے ذہن میں انبیاء کی عدم عصمت پر کچھ سوالات تھے وہ ان کے متعلق امام سے سوال کرتا تھا اور امام ہر سوال کا جواب دے رہے تھے مامون جواب پانے کے بعد کہتا تھا: ''اشهد انك ابن رسول الله حقا''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک رسول خدا کے فرزند ہیں اور کبھی کہتا: "لله درك يا بن رسول الله "اور کبھی کہتا: "بارك الله فيك يا ابالحسن "اور کبھی کہتا: "جزاك الله عن انبيائه خيرا يا ابالحسن "اور جب آپ نے تمام سوالوں کے جوابات دے دیے مامون نے کہا: یابن رسول اللہ آپ نے میرے دل کو شفا عنایت کی ہے اور جو چیز مجھ پر واضح نہیں تھی اسے واضح وروشن کر دیا ہے، خداوند عالم آپ کو اپنے انبیاء کی جانب سے جزاء خیر عنایت کرے۔(۲)

علی بن محمد جہم ہی کہتا ہے جب گفتگو ختم ہوئی مامون نماز کے لیے اٹھا اور محمد بن جعفر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے چچا جو کہ وہاں موجود تھے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور راستہ چلنے لگا میں بھی ان دونوں کے پیچھے تھا، مامون نے محمد بن جعفر سے کہا آپ نے اپنے بھائی کے فرزند کو کیسا پایا؟ انہوں نے کہا وہ عالم ودانا ہیں اور ہم نے نہیں دیکھا کہ انہوں نے کسی کے سامنے زانوئے ادب طے کیا ہو اور کسی سے علم حاصل کیا ہو

---

(۱) کشف الغمہ، ج۳، ص۱۵۷۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۳۹۶ و۴۱۸۔ بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۷۶ و۱۸۰۔

مامون نے کہا: گویا آپ کے بھائی کا فرزند،عترت پیغمبر میں سے ہے کہ جس کے بارے میں پیغمبرخدانے فرمایا:''الا ان ابرار عترتی، واطائب ارومتی، احکم الناس صغارا، واعلم الناس کبارا لاتعلموھم فانھم اعلم منکم، ولا یخرجونکم من باب ھدی، ولایدخلونکم فی باب ضلال ''(۱) آ گاہ ہوجاؤ میری عترت کے نیک افراداور میرے وجود کے درخت کی شاخ کمسنی میں عقل مندترین اور ضعیفی میں لوگوں میں سب سے زیادہ دانا ترین ہیں۔ان کو کچھ تعلیم دینے کی کوشش مت کرنا کیوں کہ یہ تم سے زیادہ صاحب علم اور صاحب عقل ہیں، یہ تمہیں ہدایت کے حدود سے باہر نہیں لے جائیں گےاور گمراہی وجہالت کی دلدل میں نہیں پھنسائیں گے۔

مامون کے علاوہ بہت سے افراد جیسے ابوعبداللہ،حاکم نیشاپوری،محدث فقیہ شافعی ابن اثیر، صاحب علم الرجال اور مفسر،محدث وفقیہ شافعی اورعلی بن جہم ناصبی ان سب نے اپنے آ ثار میں حضرت امام علی رضاعلیہ السلام کے بیشمار فضائل کا اعتراف کیا ہے اور مختلف القاب جیسے سلطان اولیاء، برہان اتقیاء، وارث علوم المرسلین،مہبط اسرار رب العالمین، ولی اللہ،صفی اللہ،فلذۃ کبد رسول اللہ،غوث الامۃ وکشف الغمہ، سلطان المقربین، شافع یوم الحشر والجزاء الامام ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضا صلوات اللہ و سلامہ علی رسول اللہ، کے القاب سے حضرت کو یاد کیا ہے۔(۲)

مجموعی طور پر جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سب اہل سنت اور شیعوں کے مختلف منابع میں آیا ہےاور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام علی رضاعلیہ السلام کاعلم اس منزل عروج پرتھا کہ تمام لوگوں کو حیران کردیتا تھا یہاں تک کہ آپ کے دشمن بھی آپ کی مدح وستائش کے لیےلب کشائی پر مجبور ہوجاتے تھے۔(۳)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۳۹۶و۴۱۸۔بحارالانوار، ج۴۹،ص۱۷۶و۱۸۰۔

(۲) تاریخ نیشاپور،ص۲۰۷۔عیون اخبارالرضا،ج۱،ص۳۹۶۔

(۳) عیون اخبارالرضا،ج۱،ص۳۹۶و۴۱۸۔بحارالانوار،ج۴۹،ص۱۷۶و۱۸۰۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا مختلف زبانوں پر عبور

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی دوسری خصوصیت اس دور کی تمام زبانوں پر عبور وتسلط اور ان سے واقفیت رکھنا تھا، حجت خدا مختلف قبیلوں کے الگ الگ افراد اور ان کے مذاہب وادیان کے اسرار کے متعلق ان سے کلام فرماتے اور ان کے سوالات سنتے اور پھر ان ہی کی زبان میں ان کے جوابات عنایت فرماتے تھے۔

ابوصلت ہروی کہتے ہیں: حضرت امام علی رضا علیہ السلام لوگوں سے خود ان ہی کی زبان میں تکلم فرماتے تھے خدا کی قسم وہ تمام زبانوں میں ہر فرد سے فصیح اور آگاہ ترین فرد تھے۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا مختلف زبانوں میں گفتگو کرنا اور ان کے مذہب کے اسرار ورموز سے واقف ہونا، خود امام کے دوستوں اور چاہنے والوں کے لیے باعث تعجب اور حیرت انگیز ہوتا تھا۔ جیسا کہ ابوصلت ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ایک دن میں نے آنخضرت کی خدمت میں عرض کیا، میں حیرت زدہ ہوں کہ آپ کس طرح ان مختلف زبانوں میں اتنے فرق کے باوجود واقفیت وآشنائی رکھتے ہیں؟ امام نے جواب دیا: اے اباصلت! میں خدا کی مخلوق پر خدا کی حجت ہوں اور خداوند عالم اس شخص کو جو لوگوں کی زبان سے آشنا نہ ہو لوگوں پر حجت قرار نہیں دیتا۔(۲)

اسی طرح سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے خادم یاسر سے روایت نقل ہے کہ چند افراد روم کے رہنے والے کاشانہ امام پر مہمان تھے اور امام ان کے قریب تشریف فرما تھے یہاں تک کہ آپ ساعت فرما رہے تھے وہ حجامت کرانے کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ ہم ہر سال اپنے وطن میں حجامت یعنی فاسد خون نکلوایا کرتے تھے لیکن یہاں پر کوئی نہیں ہے کہ جس سے حجامت کرائیں۔

---

(۱) مناقب آل ابی طالب، ج ۳، ص ۴۵۳۔ عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۵۵۲ و ۵۵۳۔ کشف الغمہ، ج ۲، ص ۳۲۹۔

(۲) مناقب آل ابی طالب، ج ۳، ص ۴۴۶۔ عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۵۵۲۔ اعلام الوری، ص ۵۹۵۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے دوسرے دن صبح کے وقت ان کی حجامت کے لیے طبیب کو بلوالیا۔(۱)

اس کے علاوہ جیسا کہ روایتوں میں آیا ہے حجت خدا انسانوں کی زبان کے علاوہ حیوانات کی زبان بھی سمجھتے ہیں۔(۲)

مناظروں میں علم امام کی تجلی اور غلبہ

آئمہ طاہرین علیہم السلام خصوصا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک طرف لوگوں کی ہدایت وارشاد سے، قرآن وسیرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راہنمائی کرنا اور دوسری طرف ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام، علم ودانائی کی طرف رغبت اور جہالت وشبہات سے نکالنا اور اچھے شاگردوں کی تربیت کرنا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام جب مدینہ سے شہر مرو تشریف لا رہے تھے مسلسل علم کے پیاسوں اور معرفت الٰہی کی جستجو کرنے والے ضرورت مندوں کے سوالات کے جوابات مرحمت فرماتے تھے۔

کیوں کہ علم ودانائی ومعرفت کو لوگوں تک منتقل کرنا اس خاندان کی ذمہ داری ہے، جیسا کہ اپنے ماننے والوں سے فرماتے تھے: "ہماری تعلیم حاصل کرو اور لوگوں تک پہنچاؤ تاکہ اگر لوگ ہمارے کلام کی چاشنی اور خوبصورتی کو سمجھیں تو یقیناً ہماری اطاعت وپیروی کریں گے"۔(۳)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مرو میں اہل کتاب ومختلف افکاروں ومکاتب کے ساتھ متعدد علمی مناظروں کے ضمن میں خدا کی معرفت اور اس کی شناخت کی طرف لوگوں کے لیے راہ فراہم کی۔

---

(۱) مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۳۳۴۔

(۲) بحارالانوار، ج۴۹، ص۸۸۔

(۳) بحارالانوار، ج۲، ص۳۰۔

ان مناظروں کے بارے میں منقول ہے کہ مامون نے اپنے وزیر فضل بن سہل کو حکم دیا کہ مختلف مذاہب کے بزرگ علماء دانشمندوں کو جمع کرو۔ فضل بن سہل نے سب کو جمع کیا، مامون نے ان سے کہا: میرے ایک چچازاد بھائی ہیں (۱) میں چاہتا ہوں کہ تم کل ان کے ساتھ مناظرہ کرو لہذا کل صبح تم سب میرے پاس حاضر ہونا۔ (۲)

محمد بن حسن نوفلی سے روایت ہے ہم خدمت حضرت امام علی رضا علیہ السلام میں بیٹھے ہوئے تھے کہ "یاسر خادم" داخل ہوا اور عرض کی میرے آقا! مامون نے آپ کی خدمت اقدس میں سلام بھیجا ہے اور کہا ہے کل مختلف مذاہب و ادیان کے علماء ہماری نشست میں آئیں گے آپ بھی ضرور تشریف لائیے گا۔ (۳)

امام نے فرمایا: میرا بھی سلام مامون کو پہنچا دو اور کہنا کہ میں جانتا ہوں تیرا مقصد کیا ہے انشاء اللہ کل صبح تقریب میں شرکت کروں گا۔ جب یاسر چلا گیا تو امام نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہیں خوف ہے کہ وہ میری دلیلوں کو رد کر دیں گے اور مجھے مغلوب کر دیں گے؟ میں نے کہا: ہاں! کیوں کہ وہ اہل مجادلہ ہیں، بات کا انکار کرنے والے ہیں، آپ جو کچھ بھی کہیں گے وہ نہیں مانیں گے، اگر آپ فرمائیں خدا ایک ہے، تو وہ کہیں گے کیوں؟ اگر آپ فرمائیں گے، محمدؐ اللہ کے رسول ہیں تو وہ کہیں گے ان کی رسالت کو ثابت کرو، اور بالآخر وہ مغالطے اور شاطرانہ چالوں سے آپ کی ہر دلیل کو رد کر دیں گے، آپ ان سے مناظرہ کرنے سے پرہیز فرمائیں!۔

---

(۱) مامون کی چچازاد بھائی سے مراد حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہیں اس لیے کہ مامون کے جداعلی، عباس ابن عبدالمطلب ہیں۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۳۱۳۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۳۱۴۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: مامون اپنے کیے پر شرمندہ ہوگا، میں توریت کے عالموں کو توریت سے، انجیل کے عالموں کو انجیل سے، زبور کے عالموں کو زبور سے اور رومی علما کے لیے رومی زبان میں اور صابئین کو ان کی عبری زبان میں اور زرتشتیوں کے بزرگ عالم ''ہیربد اکبر'' کو اس کی پارسی زبان میں استدلال اور جواب دوں گا اور سب میرے استدلال کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم۔(۱)

دوسرے دن صبح حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے وضو کیا اور کاشانہ امامت سے روانہ ہوئے جب دربار میں داخل ہوئے تو تمام ادیان و مذاہب کے علماء اور بنی ہاشم کے چند افراد اور حکومت وقت کے کچھ بزرگ اور کارندے، مامون کے پاس بیٹھے ہوئے تھے امام کے داخل ہوتے ہی مامون اور تمام حاضرین آپ کے احترام میں اپنی جگہ سے کھڑے ہوگئے۔(۲)

امام نے اس تقریب ونشست میں عیسائیوں کے بزرگ عالم ''جاثلیق'' (۳) اور یہودیوں کے بزرگ عالم ''راس الجالوت'' (۴) اور زرتشتیوں کے بزرگ راہنما ''ہیربد اکبر'' اور عمران صابئ (۵) سے جو کہ وجود خدا پر ایمان نہیں رکھتا تھا مناظرہ کیا اور اسی طرح ایک اور نشست میں مامون اور شیعوں کے منکروں سے مناظرہ کیا۔(۶)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۳۱۴۔ احتجاج طبرسی، ج ۲، ص ۴۱۵ و ۴۳۲۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۳۱۴۔ مناظرات تاریخی امام رضا علیہ السلام با پیروان مذاہب و مکاتب دیگر، ص ۴۰۔

(۳) بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۷۴۔ عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۳۱۴ و ۳۳۵۔ مناظرات تاریخی امام رضا علیہ السلام با پیروان مذاہب و مکاتب دیگر، ص ۵۱-۴۵۔

(۴) عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۳۳۹-۳۳۵۔

(۵) بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۷۳۔ عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۳۴۵-۳۵۴۔

(۶) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۰۲۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ان مباحث میں کہ جو خدا کے انبیاء اور ان کی عصمت کے بارے میں، تخلیق کائنات، توحید، صفات خداوند، قرآن مجید، امامت اور فضائل اہل بیت علیہم السلام کے متعلق تھیں اپنے نظریات اور حق کو ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے۔(۱)

یہ مناظرے ایک طرف علم امام کے آشکار ہونے کا سبب اور علمی مقام وصلاحیت اور دوسروں پر برتری اور افضلیت کا باعث قرار پائے اور امام کا آسمانی کتابوں پر عبور اور خدا کی معرفت کا موجب بنے اور دوسری جانب سے مامون کی سیاسی حیثیت کو جو اپنے آپ کو مسلمانوں کا فرماں روا و حاکم اور مسلمین پر اپنا حق جانتا تھا ان سب کو مشکل میں ڈال کر سب کے لیے ایک لمحہ فکریہ فراہم کیا۔

علمی محفل کے انعقاد سے مامون کی پشیمانی

مامون کہ جو ذاتاً علمی محافل منعقد کرنے اور امام کے ساتھ بزرگ علماء اور دانشوروں کے مناظرات پر بہت اصرار کرتا تھا بالآخر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے کامیاب ہونے پر سخت پشیمان اور شرمسار ہوا اور امام کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی، شرمندگی کی وجہ واضح ہے، مامون نے اچھے ارادے اور نیک نیتی یا علم دوستی کی بنا پر یہ قدم نہیں اٹھایا تھا، اس کا ارادہ لوگوں کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی علمی شخصیت سے آشنا کرانا ہی نہیں تھا۔

وہ خواہشمند تھا کہ کسی مناظرے میں امام (معاذ اللہ) شکست کھا جائیں اور دوسرا ہدف یہ تھا کہ اس گہما گہمی بحث ومناظرے اور مختلف ادیان کے علماء ومفکرین کی محفل سے لوگوں کو بھی مصروف رکھے تا کہ لوگ سیاسی مسائل کی جانب متوجہ نہ ہوسکیں۔ جب وہ اپنے شیطانی مقاصد میں نا کام ہوا تو بہت سخت پشیمان ہوا تجزیہ نگار حضرات حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی کامیابی اور مامون کی شکست اور ناکامی کو آنحضرت کی شہادت کا سبب جانتے ہیں۔(۲)

---

(۱) اخبار وآثار حضرت امام رضا علیہ السلام، ص ۶۳۶-۶۲۶۔ (۲) امام علی بن موسی الرضا، ص ۴۲۔

اس کے علاوہ فلسفہ احکام کے بارے میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بہت عمیق گفتگو وضوو غسل کے فلسفہ کے بارے میں، حرمت زنا کے فلسفہ پر، زکات کے متعلق، ربا وسود خوری کا فلسفہ، اور شراب نوشی کی حرمت کے متعلق، اجتماعی اور اخلاقی مسائل کے ضمن میں، آپ کا اندیشمندانہ استدلال اور براہان و دلائل آپ کی علمی وجاہت کا پتہ دیتے ہیں۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طب اور حقوق اجتماعی کے مسائل پر بحث خود امام کی وسعت علمی پر دلیل ہے۔

اسی طرح حضرت امام علی رضا علیہ السلام فن خطابت، شعر وادب، فصاحت وبلاغت میں اپنے زمانے میں اپنی مثال آپ تھے، کوئی آپ کا ہم پلہ اور ثانی نہ تھا امام کی شخصیت ومقام کے سبب کہ مامون دل ناخواستہ بھی آپ کی تعظیم پر مجبور ہوتا تھا۔

حوزہ علمیہ کی بنیاد اور شاگردوں کی تربیت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بہت سی علمی سرگرمیوں میں سے ایک، شہر مرو میں حوزہ علمیہ قائم کرنا تھا۔ جب مامون نے دیکھا کہ شیعوں کی بڑی تعداد امام کے درس ومجالس میں شرکت کررہی ہے تو مامون نے اپنی حکومت وسلطنت کے بارے میں خوف محسوس کرتے ہوئے حکم دیا کہ امام کے شاگردوں کو جمع ہونے سے روکو۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اٹھارہ سال مدینہ میں اور دو سال شہر مرو میں بہت زیادہ سعی وکوشش کے بعد کامیاب ہوگئے کہ بہت سے شاگردوں کی تربیت کریں۔ بعض منابع میں آنحضرت کے شاگردوں کی کل تعداد ۳۱۸ بیان ہوئی ہے۔(۱)

یہ وہ امام کے شاگرد تھے کہ جنہوں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کے بعد بہت سے شبہات کے جوابات دیے ہیں۔ اور مسلمانوں کی خیرخواہی کا سبب قرار پائے۔

---

(۱) رجال طوسی، ص ۳۶۶۔ علی بن موسی امام رضا، ص ۳۰۴ کے بعد۔

ہم یہاں پر امام کے تین نمایاں شاگردوں کا کہ جو امام کے علم سے مستفید ہوتے رہے ہیں، مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔

۱-ابوعبداللہ محمد بن خالد برقی

یہ قم کے "برق رود " گاؤں کے رہنے والے تھے کہ جنہوں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور ان کے فرزند ارجمند حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شاگردی کا شرف پایا۔ محمد بن خالد ادیب، مورخ اور علوم عرب سے آشنا شخص تھے، جن کے بہت سے آثار ہیں اور ان کی آٹھ تالیفات کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

۲-حسن و حسین بن سعید اہوازی

ان دونوں کا تعلق اہواز سے ہے اور یہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے معتبر، قریبی اور چاہنے والوں میں سے تھے اور ان کی علمی حیثیت امام کی جانب سے تائید شدہ تھی ان کے پردادا مہران اہوازی، حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام کے غلاموں میں سے تھے کہ جنہیں امام کی وجہ سے آزادی ملی تھی۔ حسین بن سعید کے آثار میں تیس کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں اکثر و بیشتر قرآن مجید کی تفسیر میں ہیں۔

۳-عبدالسلام بن صالح ابوصلت ہروی

یہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ساتھیوں اور محبّ خاندان رسالت مآب تھے کہ جن کو امام کی خدمت کا افتخار اور شرف حاصل تھا ان سے ایک کتاب "وفاۃ الرضا " کے نام کی نقل ہوئی ہے اور شیخ صدوق نے کتاب عیون اخبار الرضا میں آنخضرت کی شہادت کا واقعہ انہیں کے حوالے سے نقل کیا ہے ۔تمام اہل علم رجال و درایہ، عبدالسلام کو مرد ثقہ اور صحیح الحدیث کے عنوان سے جانتے ہیں انہوں نے بہت زیادہ احادیث و روایات خصوصا بعض اہم شخصیات کے بارے میں من جملہ دعبل خزاعی کے متعلق بیان فرمائی ہیں۔(۱)

---

(۱) علی بن موسی امام رضا، ص۳۰۴-۳۵۴۔ رجال طوسی، ص ۳۹۶-۳۶۶۔

روایت ہے کہ امام نے پندرہ ہزار سوالوں کے جوابات دیے ہیں کہ جن میں سے اکثر کو مورخ اور مصنف حضرات نے قلم بند اور جمع کیا ہے۔(۱)

آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بہترین اور خصوصی مشغولیت اور فعالیت دینی تعلیم سے لوگوں کو آشنا کرنا اور مسلمانوں کی علمی بیداری تھی۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منسوب کتابیں

بعض مورخوں اور سیرت نگاروں نے احادیث وروایات کے علاوہ آنحضرت کی بعض تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے، اگرچہ ان سب کی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طرف نسبت کو ثابت کرنے کے لیے کافی دلیلوں کی ضرورت ہے، بعض مسودہ، رسالہ اور کتاب ومکتوبات کہ جو حضرت سے منسوب ہیں، درج ذیل ہیں۔

۱-ابن سنان کے مسائل کے جوابات (علل احکام ابن سنان)

شیخ صدوق نے عیون اخبار الرضا میں آنحضرت سے ایک رسالہ نقل کیا ہے کہ جو محمد بن سنان قمی کے جواب میں علل احکام کے متعلق تحریر ہوا ہے اور اس میں ۵۵ علتیں شرعی احکام سے متعلق بیان ہوئی ہیں۔(۲)

۲- علل بن شاذان

بعض مورخین نے کتاب علل کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تالیفات میں شمار کیا ہے، جب کہ اس میں ابن شاذان نے اپنے سوالات اور حضرت کے جوابات کو اپنے سلیقے سے جمع آوری اور تالیف کیا ہے۔

---

(۱) مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۳۵۰۔ بحار الانوار، ج۴۹، ص۹۹۔

(۲) مناقب آل ابی طالب، ج۴، ص۳۵۰۔ بحار الانوار، ج۴۹، ص۹۹۔

ابن شاذان نے اس کتاب میں احکام کی علتوں کو سوال و جواب کی صورت میں جمع کیا ہے اور یہ معلوم نہیں ہے کہ جو جوابات اس کتاب میں مذکور ہیں وہ عین الفاظ امام ہیں یا ابن شاذان نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے مقصد و مفہوم کو اپنی زبان و عبارت میں آسان کر کے پیش کیا ہے۔(۱)

۳۔محض الاسلام وشرائع الدین

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طرف نسبت دی جانے والی ایک اور کتاب محض الاسلام وشرائع الدین ہے، بر بناء مشہور حضرت نے اس کتاب کو مامون کی خواہش پر تحریر کیا ہے۔شیخ صدوق عیون اخبار الرضا میں اس کو فضل ابن شاذان سے نقل فرماتے ہیں لیکن فضل نے اس کتاب کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔(۲)

اس کتاب کی رجالی سند کو ملاحظہ کرنے کے بعد جو کچھ بھی استنباط اور نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے وہ حضرت کی طرف اس کتاب کی نسبت کا وثوق نہ ہونا ہے، اس لیے کہ اس کی سند میں بعض رجال معتبر نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ یہ کتاب اسلوب اور تعبیرات کے اعتبار سے متوازن نہیں ہے لہذا بعید ہے کہ یہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تحریر ہو۔اسی طرح اس کتاب میں کچھ ایسے احکام بھی ہیں کہ جن کا وجود ہمارے مذہب میں ثابت نہیں ہے۔اس کتاب کے بارے میں احتمال ہے کہ یہ کسی عالم دین کے فتاوی کا مجموعہ ہے کہ جن کے اعتقادی و شرعی نظریات کو جمع کر دیا گیا ہے۔

۴۔صحیفۃ الرضا

یہ ایک رسالہ ہے کہ جس کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون عباسی کے لیے شریعت کے بارے میں لکھا۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۹۹ و ۲۶۰۔

(۲) مکاتیب الامام الرضا علیہ السلام، ص ۲۹۔عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۶۱ و ۲۷۹۔

حسن بن شعبہ نے تحف العقول میں نقل کیا ہے کہ مامون نے فضل بن سہل کو خدمت حضرت امام علی رضا علیہ السلام میں بھیجا اور پیغام دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے واسطہ حلال وحرام اور واجبات و سنن کو تحریر فرمائیں اس لیے کہ آپ خلق خدا پر حجت اور معدن علم ہیں۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے قلم وقرطاس اور دوات طلب فرمایا اور یہ صحیفہ تحریر فرمایا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ---ابن نے شعبہ اس رسالہ کو مفصل نقل کیا ہے۔(۱)

۵-رسالہ ذھبیہ

حضرت امام علی رضا علیہ السلام جب توس کی جانب تشریف لا رہے تھے تو نیشاپور میں فلسفیوں اور طبیبوں کی ایک جماعت جیسے یوحنا بن ماسویہ اور جبرئیل بن بختشوع اور ابن بہلہ ہندی اور دوسرے کچھ لوگ امام سے ملے اور علم طب پر گفتگو ہوئی، امام نے علم طب سے متعلق کچھ مطالب تحریر فرمائے کہ جو ایک رسالہ کی صورت اختیار کر گئے۔ پھر اس کو مامون کے لیے ارسال کر دیا اس نے حکم دیا کہ اس کو سونے کے پانی سے لکھا جائے اسی وجہ سے وہ "رسالہ ذہبیہ "کے نام سے معروف ہوگیا۔ شیخ طوسی نے اپنی کتاب الفہرست میں محمد بن حسن بن جمہوری بصری کے شرح احوال میں تحریر کیا ہے(ولہ الرسالة الذھبیہ عن الرضا)اسی رسالہ کو علامہ مجلسی نے بحارالانوار، ج۵۹،ص۳۰۶-۳۵۶۔ میں، پچاس صفحات پر مشتمل نقل کیا ہے اور آخر میں مرقوم ہے کہ ابومحمد حسین قمی کہتے ہیں کہ جیسے ہی یہ رسالہ مامون کے ہاتھوں میں پہنچا وہ بہت خوش ہوا اور کہا اس کو آب طلا سے تحریر کیا جائے اور پھر ''رسالہ ذہبیہ'' کا نام دیدیا گیا۔ مامون نے حکم دیا کہ اس رسالہ کو دارالحکمة کے خزانہ میں محفوظ رکھا جائے۔

دس سے زیادہ کتابیں طبع ہوچکی ہیں۔ بہت سے علماء اور مفکروں نے اس رسالہ کی شرح کی ہے کہ جن میں سے بعض کا تذکرہ ذیل میں ہے۔(۲)

---

(۱) تحف العقول، ص۴۸۶-۴۹۶۔(۲) مستدرک الوسائل، ج۳،ص۳۳۵۔

- ترجم العلویہ للطب الرضویہ: مؤلف سید ضیا الدین ابو الرضا فضل اللہ بن علی الراوندی متوفی ۵۴۸ھ۔

- ترجمۃ الذھبیہ: مؤلف جناب فیض اللہ عصار شوشتری، فتح علی شاہ کے زمانے میں طب ونجوم کے استاد، اس کی شوشتر پر حکومت کے زمانے میں، ۱۱۰۷ھ کا ایک نسخہ ہے۔ تہران یونیورسٹی کے کتابخانہ مشکات میں موجود ہے اور اس کے تحریر کیے جانے کی تاریخ ۱۱۳۳ھ ہے۔

- ترجمۃ الذھبیہ: علامہ محمد باقر مجلسی کے ہاتھوں سے لکھا ہوا خطی نسخہ ہے اور مرحوم سید حسن صدر کے کتاب خانہ کاظمین میں موجود ہے۔

- عافیۃ البریہ فی شرح الذھبیہ: اس کتاب کا تعلق میرزا محمد صالح شیرازی کے فرزند میرزا محمد ہادی سے ہے کہ جو سلطان حسین صفوی کے دور میں تالیف اور سید حسن ہمدانی کے کتابخانہ نجف میں موجود ہے۔

- شرح طب الرضا: جس کو جناب محمد شریف خاتون آبادی نے تقریبا ۱۱۲۰ھ میں تحریر فرمایا ہے۔

- ترجمۃ الذھبیہ: سید شمس الدین محمد بن محمد بدیع رضوی مشہدی نے ۱۱۵۵ھ میں مکمل کیا اور اس کا خطی نسخہ مشہد مقدس میں شیخ علی اکبر نہاوندی کے کتابخانہ میں موجود ہے۔

- شرح طب الرضا: سید علی اکبر شبر متوفی ۱۲۴۲ھ سے متعلق ہے، شیخ نوری نے تذکرہ کیا ہے کہ اس نسخہ کو میں نے دیکھا ہے۔

- شرح طب الرضا: حاج محمد حسن مشہدی کے فرزند جناب حاج محمد متوفی ۱۲۵۷ھ۔

- شرح طب الرضا: جناب نوروز علی بسطامی۔

- المحمودیہ: حاجی میرزا کاظم موسوی زنجانی متوفی ۱۲۹۲ھ یہ خطی نسخہ آپ کے نواسوں اور پوتوں کے پاس موجود ہے۔(۱)

---

(۱) مستدرک الوسائل، ج ۳، ص ۳۳۵۔

- طب الامام الرضا المعروف بالرسالۃ الذھبیہ: شرح اور تحقیق محسن عقیل ۱۴۲۶ھ۔
- طب الرضا وطب الصادق: تحقیق علامہ مرتضی عسکری ترجمہ: کاظمی۔
- طب الرضا: (طب وسلامتی) ترجمہ: نصیر الدین امیر صادقی۔
- سفارشات پزشکی و بہداشتی امام رضا: ترجمہ جابر رضوانی۔
- نامہ زرین سلامت: ترجمہ وتحقیق ڈاکٹر محمد دریائی۔

۶- فقہ الرضا

یہ کتاب فقہی ابواب پر مشتمل ہے اور مجلسی اول کے دور تک مشہور نہیں تھی ان کے دور ہی میں شہرت ملی۔اس کی وجہ یہ تھی کہ قم کے رہنے والوں کی ایک جماعت مکہ مکرمہ سے ایک نسخہ لائی اور قاضی سید حسین اصفہانی نے اس کو دیکھا سید کو یہ نسخہ پسند آیا اور اپنے ساتھ اصفہان لے آئے اور پھر مجلسی اول کے سامنے پیش کیا وہ اور ان کے فرزند مجلسی دوم کو یقین ہوگیا کہ یہ کتاب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ہے۔لیکن اس کتاب کی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طرف نسبت دینے پر بہت سے اشکالات موجود ہیں۔(۱)

ان کے علاوہ بہت سی کتابوں کو آنحضرت کی طرف نسبت دی گئی ہے۔جو ان افکار ونظریات پر مشتمل ہیں کہ جو امام نے سوال کرنے والوں کے جواب میں، اور جو افراد یہ چاہتے تھے کہ آنحضرت کے سرچشمہ علم ودانش سے کسب فیض کریں بیان فرمائے ہیں۔واضح ہے اگر اس کتاب میں نقد آراء کی گنجائش ہے تو صرف اس کی ترتیب وترکیب میں ہے نہ کہ اس کے مطالب ومضمون میں۔

---

(۱) مجموعہ مقالات کنگرہ جہانی حضرت رضا علیہ السلام، ج۱،ص۳۶۱، میں رضا استادی کی کتاب فقہ الرضا سے متعلق ایک تحقیق۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منسوب اشعار

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا بعض شعراء حضرات کو تشویق کرنا اور ان کو اجرت وصلہ عنایت کرنا ایسا عمل ہے جس سے شعر کی عظمت اور شعراء کی ذمہ داری کا اندازہ ہوسکتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب دعبل نے اس بیت کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حضور میں پڑھا:

یمیزفینا کل حق و باطل — ویجزی علی النعماء و النقمات(۱)

امام نے بہت گریہ فرمایا اور اس کے بعد اپنا سر بلند کیا اور فرمایا: اے دعبل یہ دو بیت روح القدس نے تیری زبان پر جاری کیے ہیں۔(۲)

اسی طرح جس وقت دعبل نے یہ بیت پڑھی:

وقبر ببغداد لنفس زکیة — تضمنها الرحمن فی الغرقات(۳)

امام نے دعبل سے فرمایا: کیا تم اجازت دیتے ہو کہ تمہارے قصیدہ کا اختتام اور تکمیل میرے دو بیت پر ہو؟ دعبل نے عرض کی: جی! یابن رسول اللہ ارشاد فرمائیں تب امام نے یہ دو بیت قرائت فرمائیں

و قبر بطوس یا لها من مصیبة — الحت علی الاحشا بالزفرات

الی الحشر حتی یبعث الله قائمنا — یفرج عنا الهم و الکربات

اور ایک قبر طوس میں ہے کہ جس کی عظیم مصیبت، جگر کو رنج والم سے پر کرتی ہے اور یہ اس وقت تک باقی رہے گی کہ جب تک خداوند عالم ہمارے قائم کو بھیجے گا اور وہ رنج وآلام کو ہم اہل بیت سے دور کرے گا۔

---

(۱) ہر حق اور باطل کو ہمارے درمیان مقرر ومتعین اور جدا کر دیا اور ہر نعمت ونقمت کا بدلہ دیتا ہے۔

(۲) بحارالانوار، ج۴۹، ص۲۳۶۔

(۳) اور ایک قبر بغداد میں نفس زکیہ کی ہے کہ خداوند عالم ان کو بہشت کے اعلی مقام میں جگہ دے۔

امام نے اس انقلابی اور مفکر شاعر کو صلہ و اجر معنوی سے نوازا اور صلہ مادی سے بھی بہرہ مند فرمایا اور اپنا جامہ اس کو عنایت کیا۔(۱)

اس کے علاوہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اپنے کچھ اشعار ہیں کہ جن کو کبھی کبھی مختلف مناسبتوں کے تحت قرائت فرماتے تھے اور جو امام کے ذوق کی عکاسی کرتے ہیں۔

اسی طرح سے شیخ صدوق نے عیون اخبار الرضا میں اپنے اسناد کے ساتھ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کیا آپ اشعار سے ذوق و شغف رکھتے ہیں؟ اور کیا آپ کو کچھ اشعار یاد ہیں؟

امام نے فرمایا: بہت زیادہ۔ مامون نے کہا: ان میں سے برد باری کے متعلق بہترین اشعار میرے لیے عطا فرمائیں! امام نے یہ بیت پڑھے:

اذا کان دونی من بلیت بجهله　　ابیت لنفسی ان تقابل بالجهل

و ان کان مثلی فی محلی من النهی　　اخذت بحلمی کی اجل عن المثل

و ان کنت ادنی منه فی الفضل و الحجی　　عرفت له حق التقدم والفضل

جب بھی میں کسی تندرو شخص سے روبرو ہوتا ہوں کہ جو میری ہم شان و مقام نہ ہوتو میں اس کا مقابلہ کرنے سے پرہیز کرتا ہوں۔

اور اگر وہ عقل و دانائی کے اعتبار سے میرے مثل ہوتو میں بردباری سے کام لیتا ہوں تا کہ اس سے برتر و بالا رہوں۔

اور اگر میں علم و فضیلت میں اس سے کم تر ہوں تو اس کی فضیلت اور حق تقدم کو پہچانتا ہوں۔

---

(۱) بحار الانوار، ج۴۹، ص۲۳۶۔ مجموعہ مقالات دومین کنگرہ جہانی حضرت رضا، ج۳، ص۳۶۱، غلام رضا اکبری کا مقالہ۔

مامون نے کہا: کتنا اچھا ہے اس بیت کو کس نے کہا ہے؟ امام نے فرمایا: یہ ہمارے ایک جوان کے کہے ہوئے اشعار ہیں۔(۱)

ایک اور نظم کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طرف منسوب ہے وہ قصیدہ ہائیہ کے نام سے معروف ہے۔

محدث قمی نے منتہی الآمال اور نفس المہموم میں اس قصیدہ کے بعض اشعار کو نقل کیا ہے، قصیدہ ۴۵ ابیات پر مشتمل ہے اور ہر بیت اخلاقی اصلاح اور انفرادی واجتماعی سعادت وکمال تک پہنچنے کی بہترین راہ ہے۔

محققین اور قدیم فضلاء حضرات نے اس قصیدے کی شرح وترجمہ اور تحلیل کی ہے۔اور یہ اثر، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے آثار میں گرانقدر اور بہترین اخلاقی قصائد میں سے شمار ہوتا ہے۔ آسان روش واسلوب کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔اسی طرح فضل اللہ کمپانی نے کتاب حضرت رضا میں اور محمد علی مدرس نے کتاب ریحان الادب میں اور دوسری اہم شخصیات نے خصوصی طور سے اس قصیدے پر اظہار نظر کیا ہے۔

بہرحال معلوم یہ ہوتا ہے کہ جس کسی نے بھی اس منظومہ کو اپنے آثار میں نقل کیا ہے ان سب کا اصل منبع، احمد ہاشمی مصری کی کتاب جواہر الادب ہے اس قصیدے کے آٹھ بیت کچھ اس طرح سے ہیں:

واعجبا للمرء فی ذاتہ — یجر ذیل التیہ فی خطرتہ

یزجرہ الوعظ فلا ینتھی — کانہ المیت فی سکرتہ

یبارز اللہ بعصیانہ — جھرا ولا یخشاہ فی خلوتہ

---

(۱) مجموعہ مقالات دومین کنگرہ جہانی حضرت رضا، ج۳، ص۳۶۷، غلام رضا اکبری کا مقالہ۔ بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۰۷۔ عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۷۹۔

وان یقع فی شد یبتهل　　　فان نجا عاد الی عادته

ارغب لمولاك و کن راشدا　　　واعلم بان العز فی خدمته

واتل کتاب الله تهدی به　　　واتبع الشرع علی سنته

لا تحرصن فالحرص یزوی الفتی　　　ویذهب الرونق من بهجته

والحظ لا تجلبه حیلة　　　کیف یخاف المر من فرقته(۱)

کتنے تعجب کی بات ہے کہ انسان انا و خود پسندی کا شکار ہو جائے اور دامن غرور اس کو گناہ و عصیان کی پیچیدہ وادی میں تمام خطرات کے ساتھ گھسیٹتا پھرے۔

اور کوئی وعظ و نصیحت اس کو گناہ و عصیان کی اس وادی سے نہیں نکال سکتی گویا کہ وہ غرور و تکبر کی مستی میں مردے کی طرح بے حس ہو چکا ہے۔

اللہ کی نافرمانی کر کے علی الاعلان اس سے جنگ کرتا ہے اور خلوت میں بھی اپنے گناہوں سے نہیں ڈرتا۔

اور جب کسی سختی و مشکل میں گرفتار ہوتا ہے تو گریہ و زاری کرتا ہے اور جیسے ہی نجات پاتا ہے تو پھر اپنی سابقہ عادات کی طرف پلٹ جاتا ہے۔

ہوشیار ہو جا! اپنے خدا سے محبت کر اور یاد رکھ کہ بے شک عزت اسی کی فرمانبرداری میں ہے۔

اور کتاب خدا کو پڑھ تا کہ اس کے ذریعہ ہدایت پائے اور شریعت کی پیروی کر اس طرح کہ جس طرح سے اسے قرار دیا گیا ہے۔

لالچی مت بن کہ لالچ انسان کو گوشہ نشینی پر مجبور کر دیتا ہے اور چہرے کی نورانیت کو ختم کر دیتا ہے۔

---

(۱) بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۰۷۔ عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۷۴-۱۷۵۔ مجموعہ مقالات دومین کنگرہ جہانی حضرت رضا، ج۳، ص۳۷۵۔

جو جس کے لیے مقدر میں ہے وہ اسے مل کر رہے گا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے مکر و حیلے کی ضرورت نہیں ہے، اس بنا پر انسان کو یہ تصور نہیں کرنا چاہیے کہ وہ محروم رہے گا اور اس چیز کے لیے ناامید بھی نہیں ہونا چاہیئے۔

چوتھی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سیاسی زندگی

چوتھی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سیاسی زندگی

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے امامت کے عہد میں بنی عباس کے تین خلفاء ہارون، امین اور مامون ہم عصر رہے ہیں اس دور میں قرآن مجید، حدیث، فقہی مسائل، اعتقادی وکلامی مباحث اور متعدد فرقوں واقوام کی جانب سے مختلف نظریات، وگفتگوعروج پر تھی۔غالی وفرقہ واقفیہ جیسے منحرف وگمراہ گروہ اپنے فکر ونظریات کا پرچار کررہے تھے۔بعض صوفی شیخ، زہد وعرفان کے ناقص ومحدود مفہوم کو پیش کر کے مخلوق کو گوشہ نشینی کی طرف دعوت دیتے تھے۔اور بعض فرقے جیسے شیعوں میں سے زیدیہ فرقے نے بھی سیاسی شرائط وحالات کا ادراک کیے بغیر اسلحہ کے ساتھ نبردآزمائی کی روش کو اختیار کرلیا تھا۔اس سیاسی فضاء میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ایک طرف ان کی روش کی اصلاح اور دوسری جانب عباسی خلفاء کے مدمقابل انتہائی فراست ودانشمندی اور بہترین سلیقہ وروش سے کام لیا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی امامت کے دس سال ہارون کی دورخلافت کے تھےاوراس دور میں ہارون بہت سی سیاسی مشکلات وسختی سے دوچار ہونے کی وجہ سے امام کی کھلی دشمنی کو ظاہر کیا۔

ہارون کی وصیت اور دونوں بھائیوں کا اختلاف

ہارون اپنی عمر کے آخری ایام میں عباسیوں کی آئندہ حکومت کے بارے میں فکر مند تھا اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے ۱۷۵ھ میں اپنے بیٹے محمد امین کو جو ابھی پانچ سال سے زیادہ کا نہیں تھا اپنے بعد جانشین کے عنوان سے متعارف کرایا۔(۱)

سات سال بعد یعنی ۱۸۲ھ میں مامون کو امین کی جانشینی کے طور پر عباسی حکومت کو دوام بخشنے کے لیے متعارف کرایا۔(۲) ہارون ۱۸۶ھ میں اپنے بیٹوں امین مامون اور موتمن کے ساتھ عازم حج ہوا اور وہاں سیاسی، فوجی اور عدالتی شخصیات کے حضور اپنے دونوں فرزند امین و مامون کے دستخط کرا کے ایک عہد نامہ بھیجا اور اس کے ایک نسخہ کو خانہ کعبہ میں آویزاں کردیا۔(۳)

اس عہد نامہ میں اپنے دونوں بیٹوں کی نامزدگی و معرفی کے ضمن میں حکومت کے دوام و استقرار کے لیے ایک دوسرے سے عہد و پیمان لے لیا کہ اپنے کیے ہوئے وعدے کو نہ توڑیں اس وقت ہارون نے حکم دیا کہ اس متن کا دوران حج اعلان عام کردیا جائے تا کہ حاجیوں کی واپسی کے بعد امین و مامون کی جانشینی کا اعلان ہر عام وخاص کی زبان پر رہے۔اور یہ بات لوگوں میں پھیل جائے۔(۴)

اس اقدام کے بعد ہارون نے مدینے کے لوگوں میں بہت سے تحفہ تحائف اور ہدیہ دیتے ہوئے دستور دیا کہ اس سند کو مدنظر رکھتے ہوئے عظیم اسلامی مملکت کو امین، مامون اور موتمن کے درمیان تقسیم کردیا جائے۔

---

(۱) البدایہ والنہایہ، ج۱۰، ص۱۶۵۔

(۲) البدایہ والنہایہ، ج۱۰، ص۱۷۹۔

(۳) تاریخ ابن خلدون، ج۳، ص۲۲۲۔

(۴) تاریخ طبری، ج۶، ص۴۸۱۔

لیکن جب حکومت جاہ وحشم اورحرص وہوس یا بے ایمانی کی نذر ہوجائے تو تمام عہدنامہ اورقول و قرار بے وقعت ہوجاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہارون کی تدبیریں امین و مامون کے متعلق اسلامی سرزمین میں دوام حاصل نہ کرسکیں یہاں تک کہ بات آپس میں بھائیوں کی باہمی دشمنی تک پہنچ گئی۔(۱)

ہارون ۱۹۲ھ میں رافع بن لیث کے لشکر کوشکست دینے کی غرض سے عازم خراسان ہوالیکن ۱۹۳ھ میں توس میں انتقال کرگیا اورامین باپ کے جانشین کےعنوان سےخلیفہ بن گیا، زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ دونوں بھائیوں میں اقتدار کی خاطر جھگڑا ہونے لگا، باپ نے جس نعرے''الملک عقیم''(۲) کواپنا شعار بنایا تھااور معتقد تھا کہ حکومت وقدرت ایسا نشہ جوکسی چیز کوخاطر میں نہیں لاتا۔اوراس کے لیے ہر رکاوٹ کو ہر قیمت پرختم کیا جاتا ہےاس کےفرزنداسی نظریہ اورسیاست کےوارث تھے۔

دونوں بھائیوں کے اختلاف کے پس پردہ سیاسی اورقومی عوامل بھی تھے بالآخر امین ۱۹۴ھ میں اپنے بھائی مامون کو ولایتعہدی سے برطرف کردیا اوراپنے بیٹے موسی کواپنا ولی عہد نامزد کردیا۔اوراس طرح اپنی حکومت کی تمام رکاوٹیں برطرف کردیں۔

دوسری جانب مامون بھی ہارونی راہ وروش سے آشنا تھا اورآسانی سےحکومت کواپنے ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتا تھا اسی وجہ سے مقابلہ پرآ گیا،اس کا نتیجہ معرکہ آرائی اور جنگ وجدال کے سوااور کچھ نہیں تھاایک فوج خراسان اورایک لشکر بغداد سےشہری کی جانب روانہ ہوئے کہ اس جنگ میں امین کی فوج شکست سے دوچار ہوئی۔(۳)

---

(۱) تاریخ طبری، ج۶،ص۴۸۳۔

(۲) عیون اخبارالرضا، ج۱،ص۸۸۔

(۳) الکامل فی التاریخ، ج۶،ص۲۴۰۔تاریخ ابن خلدون، ج۳،ص۲۳۰۔

دوسرے مرحلے میں مامون کی فوج بغداد میں داخل ہوگئی کہ جس سے امین کی حکومت واقتدار کے خاتمہ کی راہ ہموار ہوگئی، دارالحکومت طاہر بن حسین اور ہرثمہ بن اعین مامون کے سپاہ سالاروں کے قبضہ میں آ گیا، امین نے طاہر، مامون کے سپہ سالار سے چاہا کہ ایک خط کے ذریعہ مامون سے اس کے لیے امان مانگ لے۔

امین نے کہا: اگر میرا بھائی مجھ پر نظر عنایت اور معاف کرے بہتر ہے کیوں کہ وہ فضل کرنے والوں میں سے ہے اور اگر مجھے قتل کرے گا تو ننگ وعار نہ ہوگا کیوں کہ ایک جوان مرد نے ایک جواں مرد کو مات دی اور ایک شمشیر نے دوسری شمشیر کو کاٹا ہے لیکن جانور مجھ کو لقمہ احل بنالیں یہ میرے لیے بہتر ہے اس سے کہ کوئی کتا مجھ کو نجات دے۔(۱)

مامون کے سپہ سالار نے امین کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی اور بالآخر اس کو گرفتار کر لیا اور ایک حادثاتی حملہ میں امین کو چند مسلح سپاہیوں نے قتل کر دیا۔اس طرح اس کی زندگی کا ۱۹۸ھ کے ماہ محرم میں خاتمہ ہوگیا۔اور مامون کی حکومت بغداد اور دیگر اسلامی سرزمین پر ہوگئی۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کہ جو مامون کی امین پر کامیابی اور فتح کی پیشنگوئی کر چکے تھے ان دونوں کی نبرد آزمائی سے خود کو دور رکھے ہوئے تھے۔(۲) حقیقت میں امین کے دور خلافت میں شیعوں کے لیے کافی سہولت اور آرام تھا۔حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اسی فرصت کو غنیمت شمار کرتے ہوئے ہدایت کے پیغام کے علمی نشر عام اور دینی راہنمائی کے تقاضوں کو آزادی سے ادا کرنا اپنا وظیفہ قرار دیا۔(۳)

---

(۱) ---ان تفضل علی فاھل لہ، وان قتلنی فمرو کسرت مرو، و صمصام قطعت صمصام ، ولان یفترسنی السبع احب الی من ان ینجینی الکلب۔نقل از تاریخ الخلفاء ص ۳۰۵۔

(۲) اعلام الوری، ج ۲،ص ۵۶۔ (۳) تحلیل از زندگانی امام رضا علیہ السلام، ص ۹۶۔

اگر چہ مامون نے اس معرکہ آرائی میں بہت بڑی کامیابی حاصل کی، لیکن وہ حکومت واقتدار کے نشیب وفراز کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ کیوں کہ عباسیوں اوران کے چاہنے والوں کی جانب سے امین، ہارون کے بعد قانونی اور رسمی طور سے خلیفہ تھا اور وہ لوگ اس کو ولی امر کے عنوان سے جانتے تھے اس کی معرفت اور اطاعت اپنے اوپر لازم وضروری جانتے تھے۔

دوسری جانب امین خاص طرہ امتیاز کا بھی حامل تھا کیوں کہ وہ زبیدہ کا فرزند تھا اور زبیدہ ہارون اور عباسیوں کی نظر میں ایک خاص مقام ومنزلت کی حامل تھی۔(۱) اس بنا پر مامون کی فوجی کارروائی اپنے بھائی جیسی اہمیت ومقام حاصل نہیں کرسکتی تھی، اسی وجہ سے جس وقت امین کے کٹے ہوئے سر کو مامون کے سامنے پیش کیا گیا، فضل بن سہل کہ جو بنیادی طور پر اس نقشہ کشی اور بغداد کی خونین نبرد آزمائی میں شامل تھا، اس نے کہا: لوگوں کی زبانیں اور تلواریں ہمارے خلاف اٹھ گئی ہیں۔(۲) مامون نے جب یہ بات سنی تو کہا: اب جو ہونا تھا، ہوگیا ہے، اس غلطی کی تلافی اور عذر خواہی کے لیے کوئی تدبیر کرو۔(۳)

اسی لیے جب زبیدہ کا خط (۴) مامون کے ہاتھ میں پہنچا تو اس نے کہا:

میں وہی بات کہتا ہوں کہ جو علی بن ابی طالب نے قتل عثمان کے بارے میں کہی تھی: خدا کی قسم میں نے اس کو قتل نہیں کیا، میں پھر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں امین کا قاتل نہیں ہوں۔ اور نہ میں اس کے اس قتل پر راضی تھا اور نہ میں نے اس کے قتل کا حکم دیا ہے۔(۵)

---

(۱) مروج الذہب، ج۳، ص۳۹۶۔

(۲) سل علینا سیوف الناس والسنتهم۔ تاریخ طبری، ج۷، ص۱۰۱۔

(۳) قد مضی ما مضی، فاحتل فی الاعتذار منه۔۔۔ تاریخ طبری، ج۷، ص۱۰۱۔

(۴) یہ خط ایک شکایتی منظوم کہ جس میں مامون کی فوج اور سپہ سالار طاہر کی غیر انسانی رفتار اور بغداد کے حادثہ وجنگ کے جزئیات کو بیان کیا گیا ہے۔ مروج الذہب، ج۳، ص۴۱۵۔

(۵) مروج الذہب، ج۳، ص۴۱۵۔

مامون کی خصوصیات

مامون ۱۵/ ربیع الاول ۱۷۰ھ میں یاسریہ(۱) میں پیدا ہوا اس کی ماں، ہارون کی کنیزوں میں سے مراجل نام کی ایک کنیز، باذغیس (۲) کی رہنے والی تھی۔ مامون اپنے بھائی امین کے دور خلافت میں سرزمین اسلام کے مشرقی خطہ کا حاکم تھا لیکن اس کے بھائی امین کے قتل ہونے کے بعد ۱۹۸ھ میں اس کی ایک وسیع حکومت کا آغاز ہوا۔ اس دور کی حکومت کو بھی اگر شامل کیا جائے تو وہ بیس سال سے زیادہ مسند خلافت پر بیٹھا رہا۔ (۳)

مامون ساتویں خلیفہ کے حیثیت سے وہ اپنے بھائی اور دیگر عباسی خلفاء کی نسبت چند چیزوں میں ممتاز رہا ہے:

۱- سیوطی اس کی شرح احوال میں لکھتا ہے: مامون دوراندیشی، محکم ارادے، بردباری، علم و دانش، شاطر ذہنی، شجاعت و دلیری کے لحاظ سے تمام عباسی خلفا پر فوقیت رکھتا تھا۔ (۴)

۲- ابن ندیم مامون کو کلام و فقہ میں تمام خلفاء میں سب سے عقلمند و دانا کے طور پر یاد کرتا ہے۔ (۵)

وہ بہت چالاک آدمی تھا اور سیاسی لحاظ سے اس کی شخصیت بہت زیادہ تہہ دار اور پیچیدہ تھی، کبھی وہ دینداروں کا لبادہ اوڑھ لیتا تھا اور لوگوں کو ان کی نماز میں کوتاہی و تقصیر کی وجہ سے موعظہ و نصیحت کرتا تھا۔

---

(۱) بغداد کے نزدیک ایک گاؤں ہے۔ معجم البلدان، ج ۵، ص ۴۲۵۔

(۲) اس زمانے میں یہ خراسان کا حصہ تھا لیکن اب افغانسان میں ہرات کے نزدیک ایک علاقہ ہے کہ جس ضلع میں متعدد گاؤں ہیں۔

(۳) تاریخ طبری، ج ۷، ص ۱۹۸۔ الکامل، ج ۶، ص ۴۳۲۔

(۴) تاریخ الخلفا، ص ۳۰۶۔

(۵) اعلم الخلفا بالفقه و الکلام۔ الفہرست، ص ۱۶۸۔

اورلذت وشہوات میں غرق ہونے سے منع کرتا تھا اوران کو عذاب خدا سے ڈراتا تھا۔(۱) لیکن کبھی خود عیش وعشرت اورلہولعب کی تقریبات میں شریک ہوتا تھا۔(۲)

۳-احمد امین مصری لکھتا ہے: مامون اگر چہ عیش وعشرت اورلہو ولعب کی نشستوں میں شریک ہوتا تھا لیکن اس کے باوجود وہ کتاب وفلسفہ، بحث ومباحثہ، علمی مناظرے، فقہی گفتگو وغیرہ سے بہت لگاؤ اور رغبت رکھتا تھا۔(۳)

کبھی اپنے شیعہ ہونے کا دعوی کرتا اور اپنے جذبہ اور جوش سے خود کو علی علیہ السلام کا محبّ اور چاہنے والا ظاہر کرتا لیکن جلد ہی وقت گزرنے کے ساتھ چہرے سے نقاب اتر گئی پھر اتنا تجاوز کیا کہ وقت کے تباہ کار اور جلاد شخص حجاج بن یوسف کو بھی کوئی برا نہیں کہہ سکتا تھا۔(۴)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے دور سے آگاہی کے لیے اس دور کے مختلف حاکموں کی شناخت ضروری ہے لہذا ہم مجبور ہیں کہ اس کی زیادہ سے زیادہ سے وضاحت کریں۔

مامون اور حکومتی دشواریاں

سب سے پہلا مسئلہ جس کی طرف مامون کو متوجہ ہونا چاہیے تھا وہ مختلف وسیع مملکت کے رہنے والے لوگوں کی بیعت لینا اوران کو اپنی طرف راغب کرنا تھا کیوں کہ وہ بغداد اور کوفے کے لوگوں کو نہ اپنی طرف راغب کرسکا اور نہ ان سے بیعت لے سکا اسی طرح اہل مدینہ، مکہ اور بصرہ کے لوگوں سے بھی محروم رہا۔

---

(۱) اہل بغداد کے نام ایک خط میں مفصل اس طرح کی باتیں تحریر کی ہیں۔طرائف المقال،ص۲۸۱۔

(۲) ضحیٰ الاسلام، ج۳،ص۱۱۷۔

(۳) ضحیٰ الاسلام، ج۳،ص۱۱۷۔

(۴) الکامل فی التاریخ، ج۴،ص۱۷۲۔

کیوں کہ اسلامی سرزمینوں کے باشندے اگر علوی خاندان سے یا ان کے شیعہ تھے تو وہ کسی بھی طرح سے عباسی خاندان سے لگاؤ نہیں رکھتے تھے اور اگر عباسی خاندان یا ان کے طرفدار تھے تو وہ امین کے قتل کو جرم سمجھتے اور اس کو قابل توجیہ نہیں جانتے تھے۔

مامون کے لیے دوسرا اہم مسئلہ اسلامی مملکت کے گوشہ و کنار میں اضطراب اور نا امنی تھی خصوصا بعض لوگوں نے مختلف حوالوں سے علم بغاوت بلند کیا تھا جو عوام میں اثر ونفوذ بھی رکھتے تھے۔

مکہ میں محمد بن جعفر، کہ جو دیباج کے نام سے مشہور تھے، مدینہ میں محمد بن سلیمان بن داود، واسط میں جعفر بن محمد، مدائن میں محمد بن اسماعیل، کوفہ میں ابوسرایا مخالفت کا جھنڈا بلند کررہے تھے۔ جس طرف بھی نظر اٹھ رہی تھی تا حد نظر مخالفت اور شورش کی لہر دوڑتی نظر آرہی تھی اور مامون کی معمولی سی غلطی بھی اس کی خلافت اور سلطنت کو بہت بڑا ضرر پہنچا سکتی تھی بلکہ وہ عباسیوں کے لیے وبال جان بن سکتی تھی۔

تیسری مشکل جو مامون کے لیے ہمیشہ دردسر بنی ہوئی تھی وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اہم اور نمایاں شخصیت تھی۔ اس حقیقت کی دلیل یہ ہے کہ مامون حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سیاسی اجتماعی اور دینی حیثیت کو ہر اعتراض، قیام یا تحریک پر اہمیت دیتا اور اس کو اپنی حکومت کے لیے ایک وارننگ اور دھمکی کے مترادف جانتا تھا۔

بہر حال مامون کوئی موقع تلاش کررہا تھا تا کہ بنی عباس کے اعتماد کو بھی حاصل سکے، شورش وغدر اور معترض لوگوں کی آواز کو بھی خاموش کرسکے اور لوگوں کی ذہنوں میں اس کے بھائی امین کے قتل کے قتل کی وجہ سے جو منفی اثرات تھے انہیں تبدیل کرسکے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی جانب سے بھی کاملا مطمئن ہو جائے لہذا وہ اپنی مشکلات کے حل کے لیے عوام کے اذہان کو مشغول رکھنا چاہتا تھا۔ اور ظاہرا اسی سبب سے علمی نشستوں اور محافل کا اہتمام کرتا تھا تا کہ عوام متواضع ہو جائیں۔

مامون فقط اسی حد تک منحصر نہیں رہنا چاہتا تھا بلکہ وہ فضل بن سہل جیسوں سے مشورہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ ایک نئی سیاسی فضاء ایجاد کی جائے۔

لوگوں کے مذہبی جذبات اور ان کے دینی احساسات کو ایک دوسرے کے خلاف اکسایا جائے، مامون کی سیاست کی ایک اہم چال خاندان نبوت سے اظہار عقیدت تھا۔ اگر چہ اس کو کوئی لگاؤ نہیں تھا اور وہ جانتا تھا کہ کامیاب حکمرانی کے لیے وہ طریقہ اپنانا ہوگا کہ جو معاویہ نے اختیار کیا تھا کہ من مانی کرتا اور لوگوں کی مطلقا پرواہ نہیں کرتا تھا۔(۱)

مامون کا دوغلہ پن اور منافقت تاریخ کی اسناد سے ثابت ہے۔ جس پر وہ وہ مضبوطی سے قائم رہا۔ تمام اموی وعباسی خلیفہ خصوصا مامون سب مسلمانوں کی زعامت کے مدعی تھے اور اپنی سیاست کو دیانت سے تعبیر کرتے، بغیر چون و چرا لوگوں سے اپنی حکومت کو تسلیم کرانے کے خواہشمند تھے کہ وہ اپنے آپ کو اولی الامر منوانا چاہتے تھے کہ جس کی اطاعت کا حکم قرآن مجید نے دیا۔(۲)

مامون اور شیعیت کا اظہار

مامون کی تدبیروں میں سیاسی فضاء کو تبدیل کرنے، گذشتہ خلفاء کے سیاسی طرز سے علیحدہ راہ و روش اختیار کرنے اور عام مسلمانوں کی نگاہوں میں مسائل کو مبہم و پوشیدہ رکھنے کے لیے، اہل بیت علیہم السلام سے ظاہرا محبت والفت کا اظہار کرنا تھا۔

جن لوگوں نے مامون کو خاندان پیغمبر کے محبّ اور چاہنے والے کے طور پر پیش کیا ہے انہوں نے زیادہ تر اس کی تقریروں، مناظروں اور قصیدوں سے استفادہ اور استناد کیا ہے کہ متعدد جگہوں پر اس نے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی برتری کا اعتراف کیا ہے یا پھر شیعوں کے مخالفوں کو حملے کا نشانہ بنایا اس کے علاوہ اور اس کے کچھ اعمال جیسے علویوں سے قریبی روابط، فدک کا واپس کرنا یا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ولی عہدی کی پیش کش کرنا وغیرہ کو بطور دلیل پیش کیا ہے۔

---

(۱) المحاسن والمساوی، ص ۴۹۵۔

(۲) "یاایها الذین آمنوا اطیعوا الله واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم "۔نسا/۵۹۔

مسعودی لکھتا ہے: مامون ہمیشہ شیعوں سے عقیدت کا اظہار کرتا اور اپنے آپ کو شیعہ کے عنوان سے ظاہر کرتا تھا۔(۱)

ابن جوزی نے ایک قصیدہ مامون کی جانب سے نقل کیا ہے کہ جس میں وہ کہتا ہے:

الام علی حب الوصی ابی الحسن　　و ذالك عندی من عجائب ذی الزمن

خلیف خیر الناس و الاول الذی　　اعان رسول الله فی السر والعلن (۲)

مجھے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے جانشین ابوالحسن سے عقیدت ومحبت کی بناپر برا بھلا کہا جاتا ہے جبکہ یہ برا بھلا اور سرزنش زمانے کے عجائبات میں سے ہے۔

وہ خیرالناس کے خلیفہ اور تنہا ایسے شخص ہیں کہ جس نے سب سے پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی علی الاعلان اور پوشیدہ طور پر مدد کی ہے۔

دوسرے قصیدہ میں مامون سے نقل ہوا ہے:

لاتقبل التوبة من تائب　　الا بحب ابن ابی طالب

اخو رسول الله حلف الهدی　　والاخ فوق الخل والصاحب

ان جمعا فی الفضل یوما فقد　　فاق اخوه رغبة الراغب

فقدم الهادی فی فضله　　تسلم من اللائم و العائب

ان مال ذو النصب الی جانب　　ملت مع الشیعی فی جانب

اکون فی آل نبی الهدی　　خیر نبی من بنی الغالب

حبهم فرض نؤدی به　　کمثل حج لازم واجب(۳)

---

(۱) کان المامون یظهر التشیع۔ مروج الذهب، ج۳، ۴۱۷۔

(۲) تذکرالخواص، ص۳۱۹۔(۳) تذکرالخواص، ص۳۲۰۔

کسی بھی گناہگار کی توبہ قبول نہیں ہے لیکن صرف فرزند ابوطالب، برادر رسول و ہادی برحق کے سبب اور بھائی دوست وساتھی سے بلند و برتر ہوتا ہے۔

اگر کسی دن بھائی اور دوست میں فضیلت کے اعتبار سے موازنہ کیا جائے تو بھائی کو فوقیت حاصل ہوگی۔ پس اس ہادی برحق شخصیت کو فضیلت میں برتر ومقدم رکھو، تا کہ ملامت گروں اور عیب جوئی کرنے والوں سے امان میں رہو۔ اگر ناصبی اور علی علیہ السلام پر سب وشتم کرنے والے کسی ایک طرف مائل ہوں تو میں شیعوں کے ساتھ دوسری طرف ہوں گا۔ میں آل پیغمبر کے حصار میں رہوں گا۔ وہ بہترین پیغمبر غالب کے فرزندوں میں سے ہیں۔ ان سے محبت کرنا واجب ہے جس کو ہم ادا کرتے ہیں جیسے کہ حج واجب ہے

اس طرح کے بہت سے قصیدے مامون کے نام سے تاریخ میں موجود ہیں اس نے ایک قصیدے میں پیغمبر کے بعد کے خلفاء کے متعلق اظہار کیا ہے۔

بایة خطة و بای معنی   تفضل ملحدین علی علی

علی اعظم الثقلین حقا   وافضلهم سوی حق النبی(۱)

کس بنا پر اور کس عقل ومنطق پر ان دونوں ملحدوں کو علی علیہ السلام پر برتری دی جائے، علی علیہ السلام حقیقت میں پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو گراں قدر چیزوں میں سے ایک ہیں، اور وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام اشیاء پر برتری وفوقیت رکھتے ہیں۔

مامون، اسی طرح کی تقاریر کی وجہ سے بعض مقامات پر اہل سنت کے بہت سے علماء اور مورخوں کی نظر میں لعن وطعن کا مصداق قرار پایا ہے اور انہوں نے اس کے اس طرح کے خیالات اور اظہار عقیدت کو بڑے گناہ اور نا بخشے جانے والے جرائم میں سے قرار دیا ہے۔(۲)

---

(۱) المحاسن والمساوی، ص۶۸۔ اعیان الشیعہ، ج۲، ص۱۶۔

(۲) تاریخ طبری، ج۷، ص۱۸۸۔ البدایہ والنہایہ، ج۱۰، ص۲۶۷۔ النجوم الزاھرہ، ج۲، ص۲۰۳۔

امام علی کی عظمت اور آپ کی شخصیت کا مامون کو اعتراف

مامون نے مرو سے ولی عہدی کے مسئلہ کے بعد عباسیوں کے جواب میں ایک خط بغداد ارسال کیا ہے جس میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے فضائل ومناقب بیان کیے ہیں کہ جن میں سے درج ذیل مطالب حضرت کی تمجید وتعریف میں نقل کرتے ہوئے آپ کی افضلیت وبرتری کا قائل ہوا ہے:(۱)

- ہر حال اور ہر مقام پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت اور پشت پناہی کرنا۔
- مختلف مواقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں جانثار کرنا مثل لیلۃ المبیت (شب ہجرت)۔(۲)
- مشرکوں کے مقابلے میدان جہاد میں سب پر برتری۔
- احکام الٰہی اور قرآن کی حقیقی معرفت وآشنائی۔
- غدیرخم میں خدا کی ولایت مطلقہ کا مصداق قرار پانا۔
- آپ گھر کے دروازے کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں کھلا رہنا جب کہ تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دیا گیا۔
- فتح خیبر۔
- جنگ خندق میں آپ کا تنہا جنگ میں کامیابی حاصل کرنا اور قتل عمرو بن عبدود۔
- پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ سے عقد اخوت باندھنا۔

---

(۱) طرائف المقال، ص۲۷۵-۲۷۷۔

(۲) شب ہجرت کہ جب مشرکین مکہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے آنحضرت کو حکم ملا کہ آپ اپنے بستر پر حضرت علی علیہ السلام کو سلا دیں اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرما جائیں۔

- حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا دختر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ سے عقد۔
- قرآن کریم کی بعض آیتوں کا آپ اور آپ کے اہل بیت کی شان میں نازل ہونا۔(۱)
- مباہلہ میں آپ کا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہونا وغیرہ۔

ان تمام باتوں کے علاوہ، مامون کا علویوں کے ساتھ طرز عمل، اور فدک کو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے فرزندوں کو لوٹانا، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ولی عہدی کی پیشکش اور ظاہری طور سے اہل بیت کی اس طرح حمایت کہ جو عباسی یا اموی سلطنت میں پہلے کسی نے نہیں کی، یہ وہ سب اسباب ہیں کہ جنہوں نے مامون کے شیعہ ہونے کی کہانی کو لوگوں کے ذہن میں ثابت کر دیا ہے۔

فدک واپس کرنا

یعقوبی اس سلسلے میں تحریر کرتا ہے امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کے فرزندوں کا ایک گروہ مامون کے پاس آیا اور دعوی کیا کہ فدک ہماری مادر گرامی حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا حق تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدیہ اور ہبہ کے طور پر یہ اپنی حیات طیبہ میں اپنی بیٹی کو عطا کیا تھا لیکن خلیفہ اول نے اپنے ابتدائی دور حکومت میں ہماری مادر گرامی سے یہ چھین لیا اور عام اموال میں سے ہونے کا اعلان کر دیا اس وقت حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنے حق کا دفاع کرتے ہوئے فدک کا مطالبہ کیا۔

خلیفہ وقت نے آپ سے گواہ طلب کیے آپ نے علی وحسن وحسین علیہم السلام اور ام ایمن کو بطور گواہ پیش کیا لیکن دربار خلافت نے قبول نہیں کیا اور اس طرح جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے فرزند اپنے مسلم حق سے محروم ہو گئے اور دوسروں نے اس سے فائدہ اٹھایا اب ہم اپنے حق کے لیے تیرے پاس آئے ہیں۔

---

(۱) جیسے سورہ دھر(۷۶)۔"و یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیرا"

مامون نے حکم دیا فقیہ حضرات کو جمع کیا جائے ،اس نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی اولاد کے حق کے اثبات کے بعد ایک سند نامہ لکھا اور فدک کو ان کے خاندان کے عنوان سے لوٹا دیا مامون نے سند کو محمد بن یحی بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب کے سپرد کیا۔(۱)

ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں فدک کے لوٹانے کا واقعہ دوسرے طریقہ سے نقل کیا ہے۔اور خاندان رسالت کی طرف دوبارہ لوٹانے کو مامون کے کارناموں میں سے انتہائی اہم کارنامہ شمار کیا ہے اور اضافہ کیا ہے کہ جب مامون نے حکم دیا کہ اس کی سند اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نام پر لکھی جائے، دعبل خزاعی کھڑے ہوئے اور اپنے معروف قصیدے کو پڑھنا شروع کیا جس کا آغاز اس طرح سے ہے:

اصبح وجه الزمان قد ضحكا　　　　برد مامون هاشم فدكا(۲)

زمانے کے چہرے پر مسکراہٹ پلٹ آئی، جب مامون نے فدک بنی ہاشم کو لوٹایا۔

مامون کے شیعہ ہونے کا افسانہ

مامون کا حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی برتری کا اعتراف اور امیر المومنین کی افضلیت، مختلف علمی اور معنوی جہات سے ایک ایسا امر ہے کہ جو شیعہ سنی دونوں کے نزدیک قطعی و یقینی ہے البتہ مامون سے پہلے بھی بعض خلفاء، اماموں کی برتری خصوصا حضرت علی علیہ السلام کی افضلیت کے قائل رہے ہیں۔لیکن ان کا یہ اظہار عقیدت،شیعہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

---

(۱) تاریخ یعقوبی، ج۲،ص۴۶۹۔

(۲) شرح نہج البلاغہ، ج۱۶،ص۲۱۷۔

مامون خود گواہ ہے کہ ایک دن اس کے والد ہارون نے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی بہت تعظیم وتکریم کی، مامون نے اس تعجب خیز بات کی علت اپنے باپ سے معلوم کی، ہارون نے حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے فضائل کے ضمن میں کہا کہ میں ظاہرا حکمران ہوں کہ جو ظلم و جبر کے ساتھ حکومت تک پہنچا ہوں لیکن یہ لوگوں کے حقیقی امام و رہنما ہیں اے میرے بیٹے خدا کی قسم وہ مجھ سے اور تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں کہ پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشین قبول کیے جائیں۔(۱)

تنہا مامون نہیں کہ جو مدح علی اور اہل بیت علیہم السلام کے متعلق شعر کہہ رہا ہے بلکہ بہت سے لوگ جیسے امام شافعی اور دوسرے بھی حضرت علی علیہ السلام کی مدح وستائش کرتے رہے ہیں جب کہ ان میں سے ایک بھی شیعہ شمار نہیں کیا جاتا۔

بعض مورخین نے جب دیکھا کہ مامون کسی علوی شخص کو معاف یا درگزر کر رہا ہے تو اس کے اس طرز عمل کو شیعہ ہونے کی دلیل جانا جب کہ اسی کے حکم سے شیعوں کی بڑی تعداد کے قتل کیے جانے کو نظر انداز کر دیا۔(۲)

علویوں میں سے عبداللہ بن موسی مسلسل مامون کے زمانے میں اس کے مدمقابل تلوار بلند کیے رہے اور مسلسل خفیہ ٹھکانوں سے تیز وتند حملوں کے حظوط لکھتے تھے ان کے خط کے مضمون کو اس طرح سے یاد کیا گیا ہے "میں اس فکر میں غوطہ زن ہوں کہ دشمنوں میں سے اسلام کے لیے زیادہ ضرر رساں کون ہے تا کہ اس کے مقابل جنگ کے لیے قیام کروں جب میں نے زیادہ تفکر کیا تو تجھ کو ایسا پایا کیوں کہ کفار اسلام کی نظر میں جانے پہچانے ہیں اور مسلمان ان سے نبرد آزما ہیں لیکن تو ظاہرا اسلام کی آڑ میں، اسلام کی نقاب اوڑھے ہوئے ہے یہی سبب ہوا کہ لوگ تجھ سے جنگ کرنے سے گریز کریں۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۱، ص۹۱۔

(۲) مقاتل الطالبین، ص۵۱۳۔

اگر چہ تو پوشیدہ طور پر ہاتھوں میں کلہاڑی لیے ہوئے اور اسلام کی جڑوں کو ایک ایک کر کے کاٹ رہا ہے۔۔اور اسی طرح سے تیرا یہ اسلام کو ضرر پہچانا ہر دشمن سے زیادہ خطرناک، سخت اور کاری ہے۔(۱)

باغ فدک کے لوٹانے کے متعلق بات یہ ہے کہ یہ قدم اٹھانا مامون سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے اوروں نے بھی آل علی اور اولاد فاطمہ علیہا السلام کو فدک لوٹانے کی کوشش کی ہے جب کہ بالیقین وہ لوگ شیعوں میں شمار نہیں کیے گئے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے فدک کو چھین لینے اور عمومی اموال میں شامل کرنے کے بعد سے معاویہ کے زمانے تک تقریبا یہی صورت حال رہی ،معاویہ نے نئ چال چلی وہ یوں کہ فدک کی منفعت کا ایک تہائی حصہ مروان بن حکم کو دیا اور دو حصے عمرو بن عثمان کو دیتا رہا۔

یہاں تک کہ امام حسن علیہ السلام کے شہادت کے بعد مکمل مروان کے اختیار میں دیدیا مروان نے اپنے بیٹے عبدالعزیز اور اس نے اپنے بیٹے عمر بن عبدالعزیز کے سپرد کیا، عمر بن عبدالعزیز جب برسر اقتدار آیا تو پہلی بار اس نے اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فدک لوٹانا چاہا، ایک مدت گزرنے کے بعد یزید بن عاتکہ کو ۱۰۵ھ میں اختیارات ملے اس نے دوبارہ اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا سے فدک کو چھین لیا اور بنی امیہ کے تمام دوران حکومت انہیں کے اختیار میں رہا۔اموی حکومت کے زوال اور عباسیوں کے تسلط اور برسر اقتدار آنے کے بعد ۱۳۴ھ میں پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح نے دوسری مرتبہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی اولاد کو فدک لوٹایا لیکن منصور ملعون نے ۱۵۸ھ میں ان سے پھر دوبارہ لے لیا۔

مہدی عباسی نے ۱۶۹ھ میں پھر آل فاطمہ سلام اللہ علیہا کو فدک واپس کیا دوسرے سال اس کو موسی بن مہدی نے ۱۷۰ھ میں لے لیا اور مامون کے زمانے تک اسی طرح سے رہا۔(۲)

---

(۱) مقاتل الطالبین، ص ۶۳۱۔

(۲) شرح نہج البلاغہ، ج ۱۶، ۲۱۶۔

ڈاکٹر رفاعی نے لکھا ہے کہ بہت سے سیاسی لوگ عوام کی توجہ ہٹانے اور اپنے سیاسی اور حکومتی اہداف و مقاصد کی تکمیل و ترقی کے لیے دین اور دینداری کا لیبل لگا لیتے ہیں ۔لیکن اپنی منزل اور مقصد کے حصول کے بعد دین کو صرف دینداروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں ۔(۱)

پس اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مامون کا ظاہری عقیدہ زیادہ تر سیاسی پہلو کا حامل تھا اور وہ اکثر و بیشتر حکومت کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو اور عمل کرتا رہا نہ یہ کہ وہ اصول عقائد اور دینداری کی بنا پر یہ سب کرتا تھا۔

مامون اور مذہب معتزلہ

بعض مورخین کا یہ گمان ہے کہ مامون نے مذہب معتزلی کو اختیار کر لیا تھا اور اسی پر عامل تھا جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا ہے: مامون نے معتزلی مذہب اختیار کر لیا اور وہ افراد جو مذہب معتزلی کے پیرو کار تھے انہوں نے اس کو مذہب معتزلہ کی طرف مائل کر لیا ان میں سے بشر بن غیاث مریسی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔(۲)

ابن کثیر ایک طرف مامون کو تشیع سے منسوب کرتا ہے دوسری طرف اس کو معتزلی کے عنوان سے بھی روشناس کراتا ہے وہ کہتا ہے مامون مذہب تشیع اور معتزلی دونوں کو اپنائے ہوئے تھا لیکن صحیح مذہب اہل سنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔(۳)

یہ ناممکن ہے کہ ایک شخص شیعہ بھی ہو اور معتزلی بھی ہو۔کیوں کہ شیعہ مذہب اور معتزلی مسلک کے مابین اصولی فرق ہے۔

---

(۱) عصر المامون، ج۱،ص۳۶۴و۳۷۴۔

(۲) البدایہ والنہایہ، ج۱۰،ص۲۷۵۔

(۳) البدایہ والنہایہ، ج۱۰،ص۲۷۵۔

قرآن کی خلقت کے متعلق تصور

قرآن کے قدیم اور حادث ہونے کے بارے میں ایک کلامی بحث یہ ہے کہ آیا قرآن مجید خداوند عالم کی ذات کی مانند قدیم اور جامہ تخلیق کو قبول نہ کرنے والا ہے یا پھر دنیا کی دیگر اشیاء کے مانند حادث اور مخلوق ہے۔

مامون کے دور میں اس کے معتزلی ہونے کی دلیل دینے والے اس کا قرآن کے مخلوق ہونے کے متعلق نظریہ کو بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ عباسیوں کے دور میں قطعی طور پر بحث و مباحثہ اور سیاست کا عنصر بن گیا تھا یہاں تک کہ بعض لوگ اس کی مخالفت کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے، قید خانوں میں قید کر دیے گئے جن لوگوں نے اس نظریہ کو فروغ دیا اور اس کی تبلیغ کی ان افراد میں سے ایک فرد بشر مریسی بھی تھا۔

ہارون رشید نے اس کو قتل کی دھمکی دی اور بشر اس کے بعد لاپتہ ہو گیا اور ہارون کی زندگی تک گمنام رہا لیکن ہارون کی موت کے بعد مامون چونکہ اس کے نظریہ سے موافق تھا اس نے مامون کی تعریف و ستائش اور اس کے قرآن مجید کے مخلوق ہونے کے عقیدے کی موافقت میں اس طرح اشعار پیش کیے ہیں:

قد قال ماموننا و سیدنا　　قولا له فی الکتب تصدیق

ان علیا اعنی ابا حسن　　افضل من قد اقلت النوق

بعد النبی الهدی وان لنا　　اعمالنا و القرآن مخلوق

درحقیقت ہمارے آقا مامون نے ایک بات کہی ہے کہ کتاب خدا، قرآن اس کی تائید کرتا ہے۔
وہی ابوالحسن علی کہ جو پیغمبر کے بعد لوگوں کے ہادی ہیں اور سب سے برتر و افضل ہیں۔
اور حقیقت میں ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور قرآن حادث اور مخلوق ہے۔

اس قصیدے کے مقابل میں اہل تسنن کے ایک شاعر نے یوں اشعار کہے:

یا ایھاالناس لا قول ولا عمل لمن یقول کلام الله مخلوق

ما قال ذاك ابو بکر ولاعمر ولا النبی و لم یذکره الصدیق

ولم یقل ذاك الا کل مبتدع علی الرسول و عندالله زندیق

بشر اراد به امحاق دینھم لان دینھم والله ممحوق

یا قوم اصبح عقل من خلیفتکم مقیدا و ھو فی الاغلال موثوق(۱)

اے لوگوں جو بھی کلام خدا کو مخلوق جانتا ہے اس کا نامہ اعمال، رفتار و گفتار سے خالی ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔

قرآن مجید کے مخلوق ہونے کے بارے میں نہ ابوبکر نہ عمر نہ پیغمبر اور نہ کسی اور سچے انسان نے یہ بات کہی ہے۔ یہ نظریہ خدا کے دین میں اور پیغمبر کے بارے میں بدعت گزاروں کا ہے یہ لوگ خدا کے نزدیک زندیق و کافر ہیں۔ بشر نے چاہا ہے کہ اس کی گفتگو کے ذریعہ ان کے دین کو لوگوں کے درمیان سے ختم کردے کیوں کہ خدا کی قسم ان کا دین ختم ہونے والا ہے۔ اے لوگوں خلیفہ کا نظریہ مضبوط اور محکم زنجیروں سے بندھا ہوا ہے۔

اگرچہ مامون کے معتزلی ہونے پر اہم ترین دلیل یہی قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا نظریہ ہے کہ جو مامون کے زمانے میں عوام میں قبولیت حاصل کر گیا لیکن اس کے معتزلی ہونے پر دوسرا نکتہ قابل توجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ معتزلی حضرت علی علیہ السلام کو حکومت کے لحاظ سے دوسروں سے بہتر و برتر جانتے ہیں اور مامون بھی کہ جو اعتزال کی طرف راغب تھا اس کے اشعار حضرت علی علیہ السلام کی تعریف میں موجود ہیں لیکن اس لیے نہیں کہ وہ شیعہ تھا مامون ایک موقع پر کہتا ہے:

---

(۱) البدایہ والنہایہ، ج۱۰ص۲۷۹۔

بہت سے لوگ صرف اس وجہ سے کہ ہم نے علی علیہ السلام کوتمام اصحاب پر برتری اور فوقیت دی ہے۔ہم پر اعتراض کرتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ علی علیہ السلام کو دوسروں پر افضلیت اور فوقیت دینا دیگر خلفاء کو کمتر دکھانے اور چھوٹا شمار کرنے کے معنی میں ہے جب کہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔خدا کی قسم! ہم کسی کو اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے حتی کہ کوئی حجاج بن یوسف کی بھی عیب جوئی کرے اور اس پر لعن طعن کرے چہ جائے کہ سلف طیب پر کوئی لعن وطعن کرے۔(۱)

حکومتوں کے مدمقابل حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا طرز عمل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام تقریبا ۳۵ سال شیعوں کی رہبری اور امامت کی ذمہ داری کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے تھے۔امام کی حیات طیبہ کا کچھ عرصہ آپ کی ظاہری دور امامت سے قبل مرتبط ہے اس عرصے میں منصور، مہدی، ہادی و ہارون حکمران، یہ تمام عباسی خلفاء حاکم تھے۔

جس دور میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام زندگی بسر کر رہے تھے اس دور میں قرآن مجید، حدیث، اعتقادی مباحث اور فقہی مسائل سے متعلق متعدد ومختلف مباحث، اقوام و مذاہب کے درمیان جاری تھے ، غالی اور واقفیہ اپنی ڈفلی وراگ الاپ رہے تھے اور بعض صوفی مسلک کے شیوخ زہد ومعرفت کے ناقص ومحدود مفہوم کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کو گوشہ نشینی کی تبلیغ کر رہے تھے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی حیات طیبہ کا وہ عرصہ جو کہ ہارون کے ہم عصر گزرا آپ کی تاریخ امامت کا وہ تسلسل تھا کہ جس میں اماموں کے لیے اعلانیہ تبلیغ کے مواقع فراہم نہیں تھے اکثر و بیشتر شیعوں کی کارکردگی سیاسی نبرد آزمائی اور اعتقادی مسائل میں سعی وکوشش خفیہ طور پر انجام دی جاتی تھی۔

---

(۱) عصر المامون، ج۱،ص ۳۶۹۔سلف طیب سے مراد خلفاء راشدین و دیگر خلفاء ہیں۔

ہارون کے قید خانے میں حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کی شہادت کے بعد کہ جو۲۵/ رجب ۱۸۳ھ میں واقع ہوئی حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے والد گرامی کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے دین مبین اسلام کے حقیقی پیغام کو لوگوں تک پہنچایا۔

دوسری جانب، ہارون نے مصلحت اسی میں جانی کہ اپنے طریقہ کار کو تبدیل کیا جائے کیوں کہ سابقہ سیاست کی روش اور ساتویں امام پر بے جا سختیوں کی وجہ سے اب حکومت کے لیے مناسب وممکن نہ تھا کہ علوی خاندان پر اور زیادہ ظلم وستم ڈھائے جائیں اب عباسی زیادہ خطرے محسوس کررہے تھے، مسلسل تحریکوں کا قیام، اور لوگوں کی نظریں خاندان پیغمبر پر جمی ہوئی تھیں اور حکومت کے لیے عمومی شرائط کافی سخت ہوچکی تھیں۔

صفوان بن یحی بن خالد کہ جس کا شمار ہارون کے درباری جاسوسوں میں ہوتا تھا اور ہارون کا سیاسی مشیر تھا ایک دن اس نے ہارون سے کہا حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے والد کے مقام ومنصب پر جاگزیں ہوئے ہیں اور امامت کو اپنا حق جانتے ہیں؟

ہارون نے کہا: جو کچھ ہم نے ان کے والد موسی کے ساتھ کیا ہے کیا وہ کافی نہیں ہے اب کیا تو یہ چاہتا ہے کہ ان سب کو ہی قتل کردوں؟ (۱)

واقفی مذہب (۲) میں سے ایک گروہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں سے علی بن حمزہ نے کہا ہم کو اپنے والد کے حالات سے آگاہ کیجیے آنحضرت نے فرمایا: میرے والد گرامی اس دنیائے فانی سے رحلت فرما چکے ہیں۔

---

(۱) اثبات الوصیہ، ص۱۷۵۔

(۲) واقفیہ معتقد کہ حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کا انتقال نہیں ہوا بلکہ آپ غایب ہوگئے ہیں اور بعد میں ظہور فرمائیں گے، لہذا یہ لوگ انہیں کی امامت پر باقی رہے۔

علی بن حمزہ نے کہا پس امامت کس کے سپرد کی ہے؟ امام نے جواب دیا: ''میرے''۔ علی ابن حمزہ نے کہا کیا آپ ہارون اوراس کے ساتھیوں کی طرف سے خطرہ محسوس نہیں کرتے؟

امام نے فرمایا: ہرگزنہیں اور مطمئن ہوجاؤ مجھے ہارون کی طرف سے کوئی خوف وخطرنہیں ہے میں وہی بات کہتا ہوں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوجہل کی دھمکی کے بعد فرمائی تھی: وہ مجھ کو نقصان پہنچانے میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگا۔(۱)

مسعودی نقل کرتا ہے: ابوجہل پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: کیا تم خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو؟

آنخضرت نے فرمایا: ہاں۔

ابوجہل نے کہا: کیا تم مجھ سے خوف نہیں کھاتے؟ آنخضرت نے فرمایا اگر تیری طرف سے مجھے کوئی ضرروازیت پہنچے تو میں پیغمبر ہی نہیں ہوسکتا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے بھی علی بن حمزہ کے جواب میں یہی فرمایا: میں بھی یہی کہتا ہوں اگر ہارون کی طرف سے مجھے کوئی تکلیف وآزار پہنچے تو میں امام نہیں ہوں۔(۲)

ہارون کا دور خلافت ۱۹۳ھ میں تمام ہوا، حکومت امین نے سنبھالی اور چار سال سے زیادہ کا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ دونوں بھائی امین و مامون میں کشمکش شروع ہوگئی۔

اس عرصہ میں ایسی کشمکش جاری رہی کہ انہیں امام پر ظلم وجور کرنے کی فرصت ہی میسر نہ ہوئی۔

امین، مامون کے سپاہیوں کے ہاتھوں جنگ میں مارا گیا اور مامون کا دور شروع ہوگیا مامون جو خلافت کے بارے میں فکرمند تھا، اس نے سب سے بڑی رکاوٹ جو اس کا بھائی تھا، اس کو ہٹا دیا۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۲۱۳۔

(۲) اثبات الوصیہ، ص۱۷۴۔

اس کے بعد اپنی تمام تر سعی و کوشش کو اپنی حکومت کی مشکلات کو دور کرنے اور بنی عباس کی حکومت کو مضبوط کرنے میں مشغول رہا۔

یہ بات تو واضح ہے کہ امین کے دور حکومت کے نشیب و فراز، سیاسی اور اجتماعی صورت حال نے اس کو اجازت نہیں دی۔ کہ وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام، علویوں اور تمام شیعہ فرقوں سے کھل کر قطعی طور پر نبرد آزمائی کر سکے۔ یہی وہ اسباب تھے کہ جن کی بناء پر امام نے اس دور میں زیادہ سے زیادہ فرصت سے استفادہ کیا تا کہ شیعوں کی رہبری کا کام انجام دے سکیں۔

مامون نے سیاسی فضا کو کنٹرول کرنے کے لیے دیگر عباسی حکمرانوں کے مانند عمل نہیں کیا اور اپنے مخالفوں کے روبرو علی الاعلان نہیں آیا۔ اگر چہ منصور نے اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کیا اور علویوں کے قتل سے سروں کا میوزیم بنایا(۱)۔

مامون معتقد تھا کہ ہم ان لوگوں کے درمیان ہیں جو ہمارے ماضی سے باخبر ہیں کہ ہم کل تک رعیت تھے لیکن آج حکومت کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں ہے تو یہ کام انجام دے رہے ہیں اور صرف عقوبت و سختی سے ہم اپنی طاقت و ہیبت کو طاری نہیں کر سکتے۔(۲)

منصور عباسی خلیفہ ہی تھا کہ جس نے مرقد مطہر امام حسین علیہ السلام کو ویران کرنے کی بدعت کی داغ بیل رکھی (۳) اور علی علیہ السلام کے چاہنے والوں کو دیواروں میں چنوایا اور کیلوں پر آویزاں کرادیتا تھا۔(۴)

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۶ ص ۳۴۴۔

(۲) تاریخ الخلفاء، ص ۲۶۷۔

(۳) الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا علیہ السلام، ص ۸۸۔ نقل از تاریخ کربلا، ص ۱۹۳۔

(۴) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۷۶۔

مہدی، ہادی اور رشید ایک کے بعد دوسرے حاکم نے اسی سیاسی روش کو مختلف طریقوں سے جاری رکھا، خوارزمی کے بقول کہ رشید نے نبوت کے شجر کو شاخ اور پتوں سے عریاں کر دیا اور امامت کے پودے کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔(۱) اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں ابوطالب کی اولاد کو برداشت نہیں کر سکتا ان کو اور ان کے پیروکاروں کو ضرور قتل کروں گا (۲) لیکن مامون نے عباسی خلفاء کے برعکس دوسری روش اپنائی۔

مامون نے پینترا بدلا اور اپنے بزرگوں کے برخلاف نیا طریقہ واردات اختیار کیا کہ جس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مدینے سے مرو بلائے اسی بنا پر امام کا سفر جو حضرت کی سیاسی زندگی کا اہم ترین حصہ ہے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی مرضی سے نہیں تھا کیوں کہ اس ہجرت کے وقوع پذیر ہونے کے بعد اور ایک عرصہ گزرنے کے بعد بہت سے چہروں سے نقاب اٹھ گئی اور مامون کا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو بلانے کا مقصد سب پر آشکار وعیاں ہو گیا۔

---

(۱) رسائل الخوارزمی، ص ۴۸۴۔ تاریخ الفخری، ص ۲۰۔

(۲) الاغانی، ج ۵، ص ۲۲۵۔

پانچویں فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا مدینے سے خراسان کی طرف تاریخی سفر

پانچویں فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا مدینے سے خراسان کی طرف تاریخی سفر

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے خراسان کی طرف سفر کرنے کے محرکات ومقدمات کتابوں میں صراحت کے ساتھ نہیں ملتے، ہجرت کے بہت سے جزئیات پس پردہ اور مبہم رہ گئے ہیں، لیکن موجودہ اسناد کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوجاتی ہے کہ پہلے ہی سے مدینے اور خراسان کے درمیان خط و کتابت جاری تھی (۱) اور مامون کا حضرت کوخراسان کی طرف بلانے کے متعلق اصرار تھااور یہ سفرخصوصی شرائط کے ساتھ نظام خلافت کے دباؤ کے تحت انجام پایا ہے۔

مامون نے حکومت کی باگ ڈورکواپنے ہاتھوں میں سنبھالنے کے بعد، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کوایک نامہ کے ذریعے خراسان آنے کی دعوت دی۔

---

(۱) فما زال المامون ویساله حتی علم الرضا علیه السلام انه لایکف عنه۔مامون مسلسل خطوط لکھ رہا تھااور چاہتا تھا کہ آپ خراسان تشریف لے آئیں، خطوط مسلسل جاری تھے یہاں تک کہ حضرت نے یقین کرلیا کہ وہ باز آنے والانہیں ہے۔عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۴۹۔

حضرت سفر کے لیے آمادہ نہیں تھے، لیکن مامون مسلسل اصرار کرتا رہا اور بار بار دعوتنامہ بھیج رہا تھا تاکہ حضرت کو یہ یقین دلا دے کہ وہ آپ سے دستبردار ہونے والا نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، اپنے مسلسل دعوتناموں کے ساتھ، مامون نے اپنے آدمیوں میں سے دو افراد بنام رجا بن ابی ضحاک (۱) اور یاسر خادم (۲) کو مدینہ بھیجا۔ وہ لوگ مدینے میں وارد ہونے کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور کہا: مامون نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم آپ کو خراسان لے کر چلیں۔ (۳)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام خلفاء کو پہچانتے تھے اور اپنے والد گرامی کا طولانی مدت تک زندان میں رہنا اور تمام رنج و مصائب اور تلخیاں یاد تھیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ مامون، جس نے اپنے بھائی تک کو قتل کر دیا ہے وہ اس مقصد سے کوئی اچھا ہدف نہیں رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام اس سفر کے لیے خوشحال نہیں تھے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے قریبی افراد میں سے بعض کو اس سفر کے دوران اپنے مرنے کی خبر دی تھی۔ (۴)

---

(۱) وہ بنی عباس کی حکومت کا آدمی تھا اور مامون کے زمانے مالیات و ٹیکس وصول کرنے کا انچارج تھا۔ الاعلام، ج ۳، ص ۴۴۔

(۲) شیخ طوسی کی نقل کے مطابق یاسر خادم حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہے۔ تنقیح المقال، ج ۳، ص ۳۰۷۔

(۳) مسند الامام الرضا، ج ۱، ص ۵۲۔

(۴) مسند الامام الرضا، ج ۱، ص ۵۲۔

حضرت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک سے الوداع

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے دیکھا کہ خراسان کی جانب مجبوراً سفر کرنا ہی ہے تو آپ کئی مرتبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرقد مطہر پر تشریف لے گئے اور آپ کی قبر سے الوداع کر کے اس سفر سے اپنی نارضایتی کو ظاہر فرمایا تاکہ دوسرے لوگ جان لیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا یہ سفر مجبوری کی صورت میں ہے۔

ایک راوی کہ جو اس ماجرے کا شاہد تھا اس طرح بیان کرتا ہے کہ جس وقت مامون کے بھیجے ہوئے قاصد مدینے پہنچے میں بھی اس وقت مدینے میں تھا۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے جد سے رخصتی کے لیے روضہ منورہ میں وارد ہوئے آپ اس وقت گریہ فرما رہے تھے متعدد مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرقد سے خداحافظی کی، میں آگے بڑھا اور آپ کو سلام کیا حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا میں نے آپ کو درپیش سفر کی مبارکباد پیش کی، لیکن حضرت نے فرمایا: مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں اپنے جد بزرگوار کے مرقد کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اور عالم غربت میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔(۱) حضرت نے مدینے سے رخصت ہوتے وقت اپنے تمام عزیز و رشتہ داروں کو بلایا ان سب کے درمیان فرمایا: مجھ پر گریہ کرو اس لیے کہ میں پلٹ کر مدینے واپس نہیں آؤں گا۔(۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اس سفر پر راضی نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود حکومت کی جانب سے اس سفر کے راستے طے ہوئے تھے اس طرح کہ حضرت کو بعض راستوں سے مخفیانہ گزارا گیا۔(۳)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۱۷۔

(۲) دلائل الامامۃ، ص ۱۷۶۔

(۳) تاریخ بیہقی، ص ۱۷۱۔

آپ کو کوفہ اور قم جانے سے منع کیا گیا، (۱) اگر حضرت امام علی رضا علیہ السلام اس سفر سے راضی ہوتے تو مشتاقانہ سفر کو طے کرتے اور مامون کے پریشان ہونے کی کوئی دلیل نہیں تھی کہ وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سفر کے راستوں کو ان شہروں سے دور دراز راہوں سے معین کرے۔

بعض روایات اور تاریخی منابع اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس سفر میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام تنہا نہیں تھے بلکہ بہت سے دوسرے علوی حضرات بھی آپ کے ہمراہ مدینے سے خراسان بلائے گئے تھے ''وکان المامون انفذ الی جماع من آل ابی طالب فحملهم الیه من المدین و فیهم الرضا علی بن موسی علیه السلام ''(۲) مامون نے کچھ دیگر علوی حضرات کو بھی اپنے افراد کے ذریعے مدینے سے طلب کیا تھا کہ جن میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی شامل تھے۔

دوسری کتابوں میں بھی اس طرح کا مضمون نظر آتا ہے کہ ''وکان المامون قد انفذ الی جماع من الطالبی فحملهم من المدینة و فیهم الرضا ''(۳) مامون نے اپنے سپاہیوں کو بھیجا کہ کچھ علوی حضرات کو مدینے سے لیکر آئیں کہ جن میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام بھی شامل تھے۔

ہجرت کے راستے

وہ قافلے کہ جو حجاز سے عراق کی طرف مسافرت کرتے ہیں خواہ مکہ سے ہوں یا مدینے سے، وہ ایک مقام بنام "معدن نقرہ" پر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے مقصد بصرہ یا کوفے کو روانہ ہوتے ہیں۔

---

(۱) الکافی، ج۱،ص۴۸۹۔عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۴۹۔البتہ بعض کتابوں میں ان شہروں سے حضرت کا گزر ثابت ہے: فرحۃ الغری،ص۱۳۰۔

(۲) الارشاد، ج۲،ص۲۵۰۔

(۳) اعلام الوری،ص۲۳۰۔مقاتل الطالبین،ص۵۶۲۔

بہت سے شواہد وقرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سفر میں آپ مدینہ سے معدن نقرہ اور وہاں سے بصرہ کی جانب روانہ ہوئے اور بعید ہے کہ آپ پہلے مکے تشریف لے گئے ہوں اور وہاں سے بصرہ کا عزم کیا ہو۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے مدینہ سے خراسان تک کے سفر کا راستہ اس طرح تیار کیا گیا تھا کہ شیعوں اور علویوں کے ممکنہ ردعمل یا اعتراض سے واسطہ نہ پڑے اسی بنیاد پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے قافلے کو مامون کے حکم کے مطابق کوفے میں وارد کیے بغیر اس شہر سے فاصلہ پر گزارا گیا۔(۲)

بصرہ میں ورود

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے قادسیہ سے گزرنے کے بعد بھی اپنے سفر کو جاری رکھا اور کچھ مسافت طے کرکے بعد بصرہ (۳) میں وارد ہوئے جیسا کہ متعدد ومختلف منابع سے واضح ہے کہ بصرہ کے حالات اور ماحول خلیفہ کے لیے سازگار تھا(۴) لہذا واضح ہے کہ مامون اس شہر بصرہ سے حضرت کے گزر کو اپنے حق میں بہتر سمجھتا تھا اور اس واقعہ سے اپنے لیے استفادہ کرنا چاہتا تھا۔

حضرت بصرہ سے گزرتے ہوئے زمینی یا دریائی راستے سے خوزستان میں وارد ہوئے اور چند روز اہواز میں مقیم رہے، آج تک کچھ آثار اس شہر میں باقی ہیں کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اس شہر سے گزرنے پر دلالت کرتے ہیں۔(۵)

---

(۱) کشف الغمہ، ج۳،ص۲۱۵۔ اثبات الوصیہ،ص۱۷۷۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۴۹۔

(۳) بصرہ، یہ شہر مسلمانوں کے ہاتھوں بنایا گیا اور اس کی بنیاد کوفہ سے پہلے خلیفہ دوم کے زمانے میں رکھی گئی ہے۔ معجم البلدان، ج۱،ص۶۳۰۔

(۴) البدء والتاریخ، ج۶،ص۵۹۔

(۵) معجم البلدان، ج۱،ص۲۸۵۔

اس مرحلے تک حضرت کا سفر منابع سے صاف و واضح ہے، جس طرح کہ آپ کے سفر کا آخری حصہ یعنی نیشاپور سے شہر مروتک شفاف و روشن ہے لیکن اہواز سے نیشاپور تک کا سفر زیادہ تفصیل سے درج نہیں ہے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سفر کے متعلق مختلف نظریات اور خیالات پیش کیے گئے ہیں کہ جن میں سے اہم ترین یہ ہیں:

-بصرہ، اہواز، فارس، اصفہان پھر پہاڑی راستہ-آہوان- سے گزرتے ہوئے نیشاپور۔(۱)

-اہواز، اصفہان، یزد، طبس، نیشاپور۔(۲)

-اہواز، فارس، کرمان، طبس، نیشاپور۔(۳)

یہ بات لازم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا یہ سفر مختلف چھوٹے شہر اور متعدد منازل سے طے ہوا ہے لیکن صرف بڑے اور اہم شہروں کے نام ذکر ہوئے ہیں اور گاؤں اور محلوں کے نام بہت کم مذکور ہیں یہاں تک کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے قافلہ سالار کا بیان ہے کہ جس وقت ہم حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ہمراہی میں اپنے گاؤں ''کرند'' یا ''کرمند'' میں پہنچے، میں نے حضرت سے چاہا کہ میرے لیے ایک حدیث اپنے دست مبارک سے تحریر فرمائیں کہ جو میرے لیے یادگار رہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے حدیث بیان فرمائی: "کن محبا لآل محمد و ان کنت فاسقا ، ومحبا لمحبیهم و ان کانوا فاسقین (۴) محمد وآل محمد کے محبّ رہو چاہے تم فاسق ہی کیوں نہ ہو اور محمد آل محمد کے چاہنے والوں کے محبّ رہو چاہے وہ فاسق ہی کیوں نہ ہوں۔

---

(۱) مطلع الشّمس، ج۲،ص۱۰۷۔

(۲) مطلع الشّمس، ج۲،ص۱۰۷۔

(۳) اثبات الوصیہ،ص۱۷۹۔

(۴) الدعوات،ص۲۸-۲۹۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے گاؤں اور شہروں سے گزرتے ہوئے کہیں حدیث بیان فرمائی ہے اور کہیں کوئی ایسا اثر چھوڑا ہے کہ جو یا آپ کی خواہش کے مطابق یا آپ کے دست مبارک سے انجام پایا ہے۔

شہر قم میں ورود

اگر چہ مشہور یہی ہے کہ شہر قم ان شہروں میں سے تھا کہ جو مامون کی سیاست کے تحت حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو وہاں سے نہیں گزارا جانا چاہیے تھا لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اراک یا اصفہان کے راستے سے قم وارد ہوئے ہیں۔(۱)

جناب محدث قمی نے اپنے اسناد کے ساتھ جناب سید ابن طاؤس سے نقل کرتے ہیں: حضرت امام علی رضا علیہ السلام مامون کی دعوت کے مطابق مدینے سے بصرے تشریف لائے اور کوفے کے قریب سے گزرتے ہوئے بغداد کے راستے سے شہر قم میں وارد ہوئے۔(۲)

لیکن مشہور یہ ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اصفہان یا اس کے نزدیک سے طبس اور نیشاپور کی جانب سفر کیا ہے۔ ناصر خسرو نے عراق سے خراسان کے درمیان مشہور و معروف راستہ کہ جس پر اس نے خود بھی سفر کیا ہے اپنے سفر نامے کے ضمیمہ میں ایک نقشہ پیش کیا ہے، وہ اس طرح لکھتا ہے: یہ راستہ بصرہ سے شروع ہوتا ہے اور ساحل عمان، ابلہ، عبادان، مہروبان، ارجان، اصفہان، کوہ مسکیان، نائین، دہ گرمہ، رباط زبیدہ، چہاردہ طبس سے ہوتا ہوا نیشاپور پر ختم ہوتا ہے۔(۳)

---

(۱) فرحۃ الغری، ص۱۳۰-۱۳۱۔

(۲) الانوار البھیہ، ص۱۸۸۔

(۳) سفر نامہ ناصر خسرو، ص۱۰۸۔

نیشاپور میں ورود

الحمدللہ امام علی رضا علیہ السلام کے نیشاپور میں ورود کے متعلق تاریخی منابع میں متعدد واقعات مذکور ہیں لہذا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا شہر نیشاپور میں قیام، منزلوں اور راستوں سے لے کر سرخس تک اور وہاں سے شہر مرو تک تمام راستے دوسرے تمام راستوں کی بہ نسبت زیادہ تفاصیل موجود ہیں۔

شیخ صدوق کتاب عیون اخبار الرضا میں ابو واسع بن محمد بن اسحاق نیشاپوری سے روایت نقل کرتے ہیں جو اپنی جدہ خدیجہ بنت عمران سے روایت کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں: جس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور میں وارد ہوئے ''بلاشاباذ'' (۱) علاقہ میں محلّہ "غز" میں میرے دادا پسندہ (۲) کے گھر میں قیام فرمایا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے شہر نیشاپور میں قیام سے متعلق جو اہم ترین واقعہ اور روایت بیان ہوئی ہے وہ عبدالسلام بن صالح ابوصلت ہروی (۳) کی روایت ہے، وہ مشہور و معروف حدیث "سلسلة الذهب" کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے نیشاپور میں نقل کرتے ہیں۔

یہ راویت احادیث کے مجموعوں میں تواتر کے ساتھ مختلف محدثین سے نقل ہوئی ہے اور قدیمی اور ابتدائی منابع میں اور جدید و تاریخی کتب سمیت حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تمام سیرت سے متعلق کتابوں میں موجود ہے۔ (۴)

---

(۱) "بلاش" اور "بلاشاباذ" بھی مذکور ہے اور عیون اخبار الرضا میں ''لاشاباذ'' ذکر ہوا ہے۔

(۲) ان کا نام اس لیے پسندہ پڑ گیا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے قیام کے لیے تمام لوگوں کے درمیان ان ہی کو پسند فرمایا تھا۔

(۳) بعض مقامات پر یہ واقعہ احمد بن عامر طائی سے بھی نقل ہوا ہے۔

(۴) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۳۷۵۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۴۰۷۔ الارشاد، ج ۲، ص ۲۵۷۔ باقی اگلے صفحہ پر

حدیث سلسلۃ الذھب

عبدالسلام بن صالح ابوصلت ہروی کہتے ہیں: میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہمراہ تھا جس وقت آنحضرت نیشاپور سے رخصت ہو رہے تھے آپ سیاہ وسفید خچر پر سوار تھے اسی دوران محمد بن رافع واحمد بن حرث (۱) ویحیی بن یحیی واسحاق بن راہویہ اور کچھ دوسرے علماء دین حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی سواری کی لگام کو پکڑ کر عرض کی کہ ہم آپ کو آپ کے خدائے پاک کی قسم دیتے ہیں آپ ہمارے لیے کوئی ایسی حدیث بیان کیجیے کہ جو آپ نے اپنے آباواجداد سے سنی ہو حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنا سر مبارک عماری سے باہر نکالا آپ کے دوش مبارک پر خز سے بنی ہوئی پھولدار نقش والی چادر تھی آپ نے فرمایا: مجھ سے میرے والد بزرگوار عبدصالح موسیؑ بن جعفرؑ نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد محترم جعفرؑ بن محمدؑ نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد گرامی ابوجعفر محمدؑ بن علیؑ باقر علم انبیاء نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والدار جمند علیؑ بن الحسینؑ سید العابدین نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد گرامی جوانان جنت کے سردار حسینؑ بن علیؑ نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد گرامی علیؑ بن ابی طالبؑ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول اکرمؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل سے سنا کہ انہوں نے بیان کیا کہ خداوند عالم کا ارشاد گرامی ہے:

گذشتہ صفحہ کا بقیہ، الفصول المہمہ، ص۲۴۰۔ الامالی، ص۲۰۸۔ کشف الغمہ فی معرفۃ الآئمہ، ج۳، ص۹۸۔ بحارالانوار، ج۴۹، ص۱۲۳و۱۲۶۔ منتہی الآمال، ص۳۲۲۔ حدیقۃ الشیعہ، ص۶۴۲۔ روضۃ الواعظین، ص۳۷۴ کے بعد۔ تاریخ نیشاپور، ص۱۲۵۔ مدینۃ المعاجز، ص۴۷۰ کے بعد۔ مسند الامام الرضا، ج۱، ص۴۴۔ زندگانی سیاسی ہشتمین امام، ص۹۵۔ میں یہ حدیث مذکور ہے۔

(۱) احمد ابن جرب بھی ذکر ہوا ہے۔

"میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے پس میری عبادت کرو، جو شخص بھی کلمہ "لا الہ الا اللہ " کہے گا وہ میرے قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو شخص بھی میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہے گا۔(۱)

شیخ صدوق اس روایت کے تسلسل میں کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ(۲) سے بھی نقل ہوا ہے کہ جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور سے مامون کی جانب جانا چاہتے تھے ،محدثین واہل حدیث آپ کے اردگرد جمع ہو گئے اور عرض کی: اے فرزند رسول آپ ہمارے درمیان سے کوچ فرمارہے ہیں اور ہمارے لیے کوئی حدیث بیان نہیں فرمارہے کہ جس کو ہم یاد کرلیں؟ حضرت امام علی رضا علیہ السلام عماری میں تشریف فرما تھے آپ نے سر مبارک کو عماری سے باہر نکالا اور فرمایا: میں نے اپنے والد گرامی موسی بن جعفر سے سنا وہ اپنے آبا واجداد طیبین (۳) سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت رسول اکرم سے اور آنحضرت نے جبرئیل سے نقل کیا کہ اس نے کہا: میں نے خداوندعالم سے سنا ہے: "لا الہ الا اللہ " میرا قلعہ ہے پس جو شخص بھی میرے قلعہ میں داخل ہو گیا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہے گا،سواری تھوڑی آگے بڑھی پھر آپ نے فرمایا: لیکن "لا الہ الا اللہ " کے کچھ شرائط ہیں اور میں (ولایت علی بن موسی) ان شرائط میں سے ایک ہوں۔

شیخ صدوق کا بیان ہے: لا الہ الا اللہ کے شرائط میں سے ایک حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حق کا اقرار ہے کہ وہ خداوندعالم کی جانب سے مخلوق پر حجت اور امام ہیں اور آپ کی اطاعت خداوندمتعال کی طرف سے واجب ہے۔(۴)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲،ص ۳۷۴۔

(۲) ابویعقوب اسحاق بن راہویہ مروزی۔

(۳) عیون اخبار الرضا میں راویوں کے نام بالترتیب مذکور ہیں۔

(۴) عیون اخبار الرضا، ج ۲،ص ۳۷۵۔

اس روایت کو علی بن عیسی اربلی نے بھی نقل کیا ہے: ایک کتاب میں کہ جس کا نام اس وقت میرے ذہن میں نہیں کہ جس میں لکھا تھا کہ عماد الدین محمد بن ابی سعید بن عبد الکریم بن ہوازن نے ۵۹۶ ہجری کے ماہ محرم میں حاکم ابو عبد اللہ نیشا پوری سے تاریخ نیشا پور میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ایک کجاوہ پر تشریف فرما نیشا پور میں وارد ہوئے اس وقت ابو ذرعہ اور محمد بن اسلم طوسی کہ جو اہل حدیث کے امام اور عالم بزرگوار تھے، بازار کے درمیان حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سواری کے سامنے آ گئے اور کہا: آپ کو آپ کے آباء واجداد کا واسطہ ہم کو اپنے چہرہ مبارک کی زیارت کرائیے اور اپنے آباء واجداد کی کوئی حدیث بیان فرمائیے۔ اس وقت آپ کی سواری رکی پردہ ہٹا اور مسلمانوں کی آنکھیں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے جمال مبارک اور طلعت روشن سے منور ہوئیں۔

سب لوگ اپنی جگہ سے اٹھے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے احترام میں کھڑے ہو گئے، کچھ لوگ گریہ کر رہے تھے اور بہت سے خوشی منا رہے تھے، بہت سے لوگ اپنے کپڑوں کو پھاڑے ڈالتے تھے اور بہت سے اپنے آپ کو خاک پر گرا رہے تھے اور بعض آپ کی سواری کی لگام کے بوسے لے رہے تھے اور بعض اپنے سروں کو بلند کر کے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زیارت کرنا چاہتے تھے یہ شور وغل اور اژدہام ظہر کے وقت تک جاری رہا اور لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے۔

جب گریہ و بکا تھما شور وغل خاموش ہوا اور سناٹا چھا گیا، تب اہل علم وفضل کی فریاد بلند ہوئی کہ لوگو! غور سے سنو اور فرزند رسول خدا کو پریشان نہ کرو۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ایک حدیث بیان فرمائی اور تقریباً ۲۴ ہزار اہل قلم نے اس کو تحریر کیا کہ جن میں سے ابو ذرعہ رازی اور محمد بن اسلم بھی تھے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: میں نے اپنے والد محترم موسیٰؑ بن جعفرؑ سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی جعفرؑ بن محمدؑ سے اور انہوں نے اپنے والد بزرگوار محمدؑ بن علیؑ سے اور آپ نے اپنے والد گرامی علیؑ ابن الحسینؑ اور آپ نے اپنے والد محترم حسینؑ ابن علیؑ سے اور آپ نے اپنے والد گرامی علیؑ بن ابی طالبؑ سے اور آپ نے اپنے برادر بزرگوار چچا زاد بھائی حضرت رسول اکرمؐ سے

اور آپ نے جبرئیل اور جبرئیل نے رب العزت جل جلالہ سے سنا کہ خداوند عالم نے فرمایا:
کلمہ ''لا الہ الا اللہ'' میرا قلعہ ہے اور جو میرے قلعہ میں داخل ہوگا میرے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

"کلمة لااله الا الله حصنی ،فمن قالها دخل حصنی ، ومن دخل حصنی امن من عذابی"۔(۱)

مسند امام رضا علیہ السلام میں اس روایت کے ضمن میں مذکور ہے کہ استاد ابوالقاسم قشیری کہتے تھے یہ حدیث اسی سند کے ساتھ ایک سامانی بادشاہ کے حضور پڑھی گئی اس نے حکم دیا کہ اس حدیث کو سونے سے لکھا جائے اور پھر وصیت کی کہ جب وہ انتقال کر جائے تو اس حدیث کو اس کے کفن میں رکھ دیا جائے، جس وقت اس شخص کا انتقال ہوا تب اس کو خواب میں دیکھا اور اس سے معلوم کیا کہ خداوند عالم نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا: خداوند عالم نے اس حدیث کی تعظیم وتکریم کی وجہ سے مجھ کو بخش دیا ہے۔

ابن جوزی کا بیان ہے: جس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام شہر نیشاپور میں وارد ہوئے اس شہر کے علماء جیسے یحیی بن یحیی، اسحاق بن راہویہ، محمد بن رافع، واحمد بن حرب وغیرہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی زبان مبارک سے تبرکا حدیث سماعت کریں۔(۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا نیشاپور میں لوگوں کی جانب سے استقبال

حاکم نیشاپوری حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے نیشاپور میں وارد ہونے کے سلسلے میں رقمطراز ہیں: سن ۲۰۰ ہجری میں، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے مبارک قدموں نے شہر نیشاپور کو افتخار و مباہات کا شرف بخشا۔(۳)

---

(۱) کشف الغمہ، ج ۲، ص ۲۷۳۔ بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۱۰۹ و ۱۱۴ و ۱۱۵۔

(۲) المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، ج ۱۰، ص ۱۳۰۔

(۳) سن ۲۰۰ ہجری حضرت کی تشریف آوری سے شہر نیشاپور جنت کے باغوں میں تبدیل ہوگیا۔ تاریخ نیشاپور، ص ۱۳۱۔

اس شہر کے لوگوں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تشریف آوری کا خیر مقدم کیا اور خوشیاں منائیں اور قطب الانام شیخ ابو یعقوب اسحاق بن راہویہ مروزی کے ہمراہ کہ جو قاضی شہر اور حکومتی سطح پر بھی خاص منزلت کے حامل تھے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے استقبال کے لیے شہر نیشاپور سے باہر آئے اور مویدیہ نامی گاؤں تک استقبال کے لیے گئے۔

شیخ نے کبیر السن ہونے کے باوجود حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سواری کی لگام اپنے ہاتھ میں تھام لی اور شہر نیشاپور تک پیدل راستہ طے کیا اور شیخ محمد بن اسلم طوسی بھی آپ کے ہمراہ، رکاب کو تھامے ہوئے تھے۔ جب نیشاپور میں وارد ہوئے محلّہ ''غز''(۱) کوچہ ''بلاس آباد''(۲) میں قیام فرمایا، لوگوں کی زبان پر مشہور و معروف ہے کہ حضرت سلطان امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور میں منبر پر تشریف لے گئے اور اس حدیث کو پیغمبر اکرم سے نقل فرمایا: ''التعظیم لامر الله و الشفقة علی خلق الله''(۳)

اور یہ بھی منقول ہے کہ حدیث سلسلة الذهب حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے نیشاپور سے طوس کی جانب کوچ فرماتے وقت بازار میں ارشاد فرمائی۔(۴) اسی طرح حاکم نیشاپوری حضرت کے شہر نیشاپور میں اقامت کے دوران امام زادہ محروق کی زیارت سے مشرف ہونے کے متعلق تحریر کرتے ہیں:

حضرت سلطان صلوات اللہ وسلامہ علی رسول اللہ وعلی آلہ الآئمة المعصومین وسلم نے ایک روز فرمایا کہ ہمارے سید و سردار یہاں مدفون ہیں، ان کی زیارت کے لیے چلیں، اور سلطان محمد محروق کے روضہ پر کہ جو تلاجرد میں واقع ہے تشریف لے گئے اور اس مقدس روضہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔(۵)

---

(۱) "غر" بھی ذکر ہوا ہے۔

(۲) "بلاش آباد" بھی ذکر ہوا ہے۔

(۳) تاریخ نیشاپور، ص ۱۱۷ و ۱۲۵۔

(۴) تاریخ نیشاپور، ص ۱۳۶۔

(۵) تاریخ نیشاپور، ص ۱۳۴ و ۱۳۵۔

نیشاپور میں چشمہ کہلان

شیخ صدوق تحریر فرماتے ہیں: جس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام شہر نیشاپور میں وارد ہوئے ''فرز'' (۱) نامی محلّہ میں مقیم ہوئے وہاں پر ایک حمام تعمیر کیا گیا کہ جو آج (مرحوم شیخ کی تقریبا تاریخ وفات ۳۷۲ھ) تک "حمام رضا" کے نام سے مشہور ہے وہاں پر ایک چشمہ تھا کہ جس کا پانی بہت کم ہوگیا تھا کوئی اس چشمہ پر پہنچا اور پانی نکالنا شروع کیا یہاں تک کہ چشمہ کے روبرو حوض پانی سے بھر گئی۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اس حوض کے درمیان تشریف لے گئے اور غسل فرمایا پھر باہر آ کر حوض کے کنارے نماز ادا فرمائی، آپ کی پیروی میں دوسرے لوگوں نے بھی حوض میں غسل کیا اور نماز ادا کی آج تک یہ سلسلہ جاری ہے وہیں پر خداوند عالم کے حضور اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور وہ مستجاب ہو جاتی ہیں، وہ چشمہ آج بھی چشمہ کہلان کے نام سے معروف ہے، اس زمانے سے آج تک لوگ اس چشمہ پر آتے ہیں اس چشمہ کے پانی سے شفا طلب کرتے ہیں۔ (۲)

معاصر مورخین کے ذکر کی بناء پر یہ چشمہ کہ جو بعد میں حمام امام رضا علیہ السلام کے نام سے معروف ہوا آج تک شہر نیشاپور میں موجود ہے۔

حاکم نیشاپوری نے بھی اپنی کتاب میں اس چشمہ کہلان کی داستان کو مفصل تحریر کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) "فروبین" بھی ذکر ہوا ہے۔ آثار واخبار امام رضا علیہ السلام، ص۸۶۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۳۷۶۔ بحار الانوار، ج۱۲، ص۱۱۱۔ منتہی الآمال، ص۳۲۴۔

(۳) تاریخ نیشاپور، ص۱۳۲-۱۳۳۔

قدمگاہ نیشاپور

شہر نیشاپور سے تقریباً ۲۶ کلومیٹر کے فاصلے پر مشہد کی جانب ایک علاقہ قدمگاہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے نام سے موسوم ہے کہ جو کثرت استعمال کی وجہ سے فقط قدمگاہ کے نام سے معروف ہوگیا ہے۔ نوروز علی بسطامی تحریر کرتے ہیں: جس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور سے کوچ فرمارہے تھے راستے میں ایک پانی کے چشمہ کے نزدیک قیام کیا۔

چشمہ کے کنارے ایک بڑا سا پتھر تھا آپ نے اس پتھر پر نماز ادا فرمائی، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشان اس پتھر پر باقی رہ گئے بعد میں اس پتھر کو جدا کر کے دیوار پر نصب کر دیا گیا اور زیارت گاہ کے طور پر ایک عمارت بنادی گئی۔ پھر لکھتے ہیں کہ میں نے قدمگاہ کی زیارت کی ہے اور اسی پتھر اور اسی نشان کی طرح ایک قدمگاہ کا پتھر امام زادہ محمد محروق (۱) کے مقبرہ میں بھی میں نے دیکھا ہے کہ جو شہر نیشاپور سے باہر کی طرف ہے ممکن ہے اس طرح کا اتفاق اس مقبرہ کے آس پاس بھی ہوا ہو اور پھر بعد میں اس پتھر کو اٹھا کر مقبرہ میں اس کی دیوار پر نصب کر دیا ہو۔ (۲)

قدمگاہ کی عمارت نیشاپور میں ۱۰۲۰ ہجری میں شاہ عباس صفوی (۳) نے تعمیر کرائی تھی۔ اسکندر بیگ ترکمان مؤلف کتاب تاریخ عالم آرای عباسی نے شاہ عباس صفوی کے زمانے میں تعمیر ہونے والی عمارات و آثار کے توضیح دیتے ہوئے اس قدمگاہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ (۴)

---

(۱) اس مقبرہ میں مدفون شخصیت، جیسا کہ قبر کے کتیبہ پر خط ثلث سے تحریر ہے "محمد بن محمد بن زید بن الامام زین العابدین علیہ السلام" ہیں کہ جو چوتھے امام کے پڑپوتے ہوتے ہیں۔

(۲) تحفۃ الرضویہ، ص ۱۹۰۔

(۳) سلسلہ خاندان صفوی کا ایک مشہور بادشاہ تھا کہ جس نے ۹۹۶ھ سے ۱۰۳۸ھ تک ایران پر حکومت کی۔

(۴) تاریخ عالم آرای عباسی، ص ۸۵۴۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ قدمگاہ ایک قدیمی عمارت ہے کہ جو کم از کم تاریخ نیشاپور کے مؤلف کی توضیح کے مطابق حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منسوب قدمگاہ پہلے سے پرفضاء مقام تھا۔ البتہ وہ سیاہ پتھر جس پر قدم کے نشان ہیں دیوار پر بعد کے زمانے میں نصب کیا گیا ہے۔(۱)

رباط سعد(۲) میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی طبابت

نیشاپور کے اطراف میں دوسرا واقعہ جو پیش آیا وہ ایک ایسے مرد کا علاج ہے کہ جو ایک حادثہ کے اثر سے قدرت گویائی و تکلم کھو چکا تھا اور آخر کار حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے معالجہ سے شفایاب ہو گیا اس واقعہ کی شرح اس طرح ہے:

ابو احمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن کہ جو صفوان کے نام سے معروف ہے بیان کرتا ہے کہ ایک قافلہ خراسان سے نکلا اور کرمان کی جانب چلا، وہ چور کہ جو کرمان کے پہاڑوں (کوہ قفص) میں رہتے تھے انہوں نے قافلہ پر حملہ کیا اور ایک مرد کہ جو بہت مالدار تھا اس کو پکڑ لیا اور ایک مدت تک اپنے قبضے میں رکھا اس کو طرح طرح کے صدمے پہنچائے تا کہ وہ اپنی جان کو اپنا مال دیکر بچالے۔ انہوں نے سردی کے موسم میں اس کے منھ کو برف سے بھر دیا اور اس کے ہاتھ پیروں کو باندھ دیا۔

قافلے کی ایک عورت نے اس پر رحم کیا اور اس کو کھول دیا وہ وہاں سے بھاگ نکلا لیکن اس کا منھ اور زبان مفلوج ہو گئے وہ بات کرنے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا تھا۔ جس وقت وہ خراسان پہنچا، اس نے سنا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔

---

(۱) آثار باستانی خراسان، ج۱،ص۳۲۴۔

(۲) رباط سعد، نیشاپور و مشہد کے قدیمی راستہ پر واقع تھا، اس علاقہ کے آثار ناصر الدین شاہ کے زمانے تک باقی تھے۔ سفرنامہ خراسان، ص۱۶۷۔ ناصر الدین شاہ قاجار۔ آثار باستانی خراسان، ج۱،ص۳۲۱و۳۳۴و۳۳۵۔

اسی دوران اس نے خواب دیکھا کہ گویا کوئی اس سے کہہ رہا ہو کہ فرزند رسول خدا خراسان میں ہیں، ان سے اپنی مشکل کے بارے میں سوال کر، تا کہ تجھ کو کوئی دوا تعلیم دیں کہ جس سے تجھ کو شفا ملے اور اس مشکل سے نجات حاصل کر لے۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت کی خدمت میں مشرف ہوا اور میں نے اپنے سارے حالات بیان کیے اپنے ہونے والے حادثہ کی شکایت کی اور اپنی مشکل و مرض کے متعلق آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا: زیرہ، آویشان اور نمک لے کر باریک پیس لو اور ۲ یا ۳ مرتبہ اس کو اپنے منھ میں رکھ لینا انشاء اللہ بہتر نتیجہ دیکھو گے۔ وہ شخص خواب سے بیدار ہوا اور جو کچھ اس نے خواب میں دیکھا تھا اس پر کوئی عمل نہیں کیا اور لوگوں کو بھی کچھ نہیں بتایا یہاں تک کہ نیشاپور کے دروازے پر پہنچ گیا اس کو معلوم ہوا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور سے کوچ کر چکے ہیں اور ''رباط سعد'' میں مقیم ہیں، اس شخص نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے کا ارادہ کیا تا کہ اپنے مسائل حضرت سے بیان کرے اور آپ اس کے لیے کوئی دوا تجویز فرمائیں تا کہ اس کا علاج ہو سکے۔

وہ اس قصد سے رباط سعد گیا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنے حالات بیان کیے:

اے فرزند رسول خدا اس اس طرح میرے ساتھ حادثہ پیش آیا اور میرا منھ اور زبان بے کار ہو چکے ہیں میں بات بھی بہت مشکل سے اشاروں سے کر پاتا ہوں، آپ میرے لیے کوئی دوا تجویز فرمائیں کہ جس سے مجھ کو فائدہ ہو۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں نے تجھ کو خواب میں دوا تعلیم نہیں دی؟ جاؤ وہی دوا استعمال کرو، اس مرد نے کہا: اے فرزند رسول خدا کیا ہی بہتر ہوگا کہ آپ اس کو دوبارہ تعلیم فرمادیں؟ حضرت نے فرمایا: زیرہ، آویشان اور نمک لے کر باریک پیس لو اور دو یا تین مرتبہ منھ میں رکھ لو بہت جلدی شفا حاصل کر لو گے۔ اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس دوا استعمال کیا اور شفا پا گیا۔ ابو حامد احمد بن علی بن حسین ثعلبی کہتے ہیں:

میں نے ابواحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے کہ جو صفوان کے نام سے معروف ہے، معلوم کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا ہے اور یہ داستان خود اسی کی زبانی سنی ہے۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیشاپور کے بعد طوس کی جانب چلے اور نیشاپور و طوس کے درمیان حضرت کے سفر کے دوران کچھ اور بھی واقعات پیش آئے کہ جو قابل ذکر ہیں۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی قدمگاہ ظاہراً نیشاپور کے بعد پہلی منزل ہے کہ جہاں حضرت نے قیام فرمایا ہے اور اس کے بعد رباط سعد ہے کہ جو اس راستہ کے درمیان واقع ہے۔

ان کے علاوہ دو علاقہ اور ہیں کہ جن کو مورخین نے قریۃ الحمرا کے نام سے ذکر کیا ہے کہ جو ظاہراً وہی دہ سرخ ہے کہ جو آج مشہد سے جنوب کی طرف واقع ہے، اسی طرح کوہ سنگی بھی آپ کے سفر کے دوران راستہ میں گزرا کہ اس علاقہ کے یہ مقامات منابع میں مذکور ہیں۔

دہ سرخ نامی گاؤں میں ورود

دہ سرخ یا قریۃ الحمراء نامی ایک گاؤں ہے کہ جو نیشاپور اور طوس کے درمیان واقع ہے یہ علاقہ آج بھی قدمگاہ سے تقریباً ۵۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے کہ جس کے شمالی سمت میں شاہ تقی کہ جو عصر حاضر میں امام تقی کے نام سے معروف ہو گیا ہے، کچے راستہ پر واقع ہے۔(۲)

عبدالسلام بن صالح ہروی کی روایت کے مطابق، حضرت نے نیشاپور سے مرو کی جانب کوچ فرمایا اور دہ سرخ نامی گاؤں کے نزدیک پہنچے۔ اس کا بیان ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا: اے فرزند رسول خدا! وقت زوال ہو چکا اور وقت نماز ظہر ہے، کیا نماز ادا نہیں فرمائیں گے؟ آپ عماری سے نیچے تشریف لائے اور فرمایا: پانی لاؤ، عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں ہے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲ ص ۴۵۸-۴۵۹۔ منتہی الآمال ص ۳۰۳۔ بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۱۱۱-۱۱۲۔ اعلام الوری ص ۱۱۸۔

(۲) اطلس راہ ھای ایران، ۴ و ۵۔ دہ سرخ، نیشاپور اور مشہد کے درمیان ایک گاؤں ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے زمین کو کھودا، زمین سے چشمہ پھوٹ گیا اور پانی نکلنے لگا یہاں تک کہ تمام افراد نے وضو کیا۔ اس چشمہ کا اثر آج تک باقی ہے۔(۱)

کوہ سنگی سے گزر

شہر مشہد کے جنوبی سمت میں ایک پہاڑ ہے کہ جو کوہ سنگی کے نام سے مشہور ہے، یہ وہی پہاڑ ہے کہ جس پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے دہ سرخ سے گزر کر شہر طوس کی جانب جاتے ہوئے آرام فرمایا اور دعا فرمائی کہ خداوندا اس پہاڑ میں برکت عطا فرما۔(۲)

شیخ صدوق عیون اخبار الرضا میں تحریر فرماتے ہیں: جس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام سناباد کے قریب پہنچے، آپ نے اس پہاڑ پر استراحت کی کہ جس سے پتھر کے ظروف بنائے جاتے ہیں اور فرمایا: خداوندا! اس پہاڑ میں برکت عطا فرما اور لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچا اور وہ برتن جو اس کے پتھر سے بنے مبارک قرار دے اور پھر فرمایا: اس پہاڑ کے پتھروں کو تراش کر اس سے برتن بناؤ اور فرمایا: جو کچھ بھی میرے کھانے کے لیے لایا جائے وہ اس پہاڑ کے پتھروں سے تراشے ہوے برتن میں پکایا جائے۔

اس دن کے بعد سے لوگ اس پہاڑ کی قدر و قیمت سمجھ گئے اور اس کے پتھروں سے برتن تیار کرنے لگے، خداوند عالم نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی دعا کے طفیل اس پہاڑ میں برکت عنایت فرمائی۔(۳)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۳۷۶۔ بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۱۱۳۔ منتھی الآمال، ص ۳۲۳۔ زندگانی امام رضا علیہ السلام، ص ۲۵۶۔

(۲) الفصول المہمہ، ص ۳۶۰۔ بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۱۱۳۔ زندگانی امام رضا علیہ السلام، ص ۲۷۵۔ مشہد الرضا، ص ۴۔ منتھی الآمال، ص ۳۲۳۔ مناقب اہل بیت، ج ۲، ص ۱۸۸۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۳۷۶۔ بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۱۱۳۔ زندگانی امام رضا علیہ السلام، ص ۲۵۷۔

طوس، نوغان اور سناباد میں حضرت کا ورود

اصطخری، قدیمی شہر طوس کو چار شہر رادکان، طابران، بزدغور(۱) اور نوغان پر مشتمل جانتا ہے ان میں طابران اور نوغان دوسرے دو قصبوں کی نسبت بڑے تھے، یاقوت حموی کے بقول یہ دو شہر تقریبا ایک ہزار گاؤں پر مشتمل تھے۔(۲) شہر طوس سے دو منزل گزرنے کے بعد سناباد میں حمید بن قحطبہ طائی کا ایک بہت بڑا باغ تھا، حمید بن قحطبہ طائی ہارون الرشید کے سرداروں میں سے ایک سردار تھا کہ جو اس کی جانب سے خراسان کا حاکم تھا۔(۳)

مذکور ہے کہ جس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام شہر طوس میں وارد ہوئے آپ نے حمید بن قحطبہ طائی کے باغ میں قیام فرمایا۔ اسی باغ کی عمارت کے سرداب میں ہارون الرشید کی قبر بھی ہے یہ وہی جگہ ہے کہ جس کے بارے میں اس سے پہلے بھی حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کئی مرتبہ پیشین گوئی فرمائی تھی۔(۴) شیخ صدوق اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت امام علی رضا علیہ السلام حمید بن قحطبہ طائی کے گھر میں داخل ہوئے اور ہارون الرشید کی قبر کے قریب پہنچے اور اس کے آگے اپنے دست مبارک سے زمین پر ایک خط کھینچا اور فرمایا:

یہ میری قبر کی جگہ ہے اور میں یہاں دفن کیا جاؤں گا، اور بہت جلدی خداوند عالم اس جگہ کو ہمارے شیعوں اور چاہنے والوں کی رفت و آمد کا مقام قرار دے گا۔

---

(۱) بعض منابع میں بزدغہ بھی مذکور ہے۔

(۲) معجم البلدان، ج۲، ص۱۸۰۔

(۳) زین الاخبار، ص۲۷۷۔

(۴) اثبات الوصیہ، ص۳۹۱۔ المناقب، ج۲، ص۱۹۶۔ الارشاد، ج۲، ص۴۴۹۔ عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۴۷۳۔ کافی، ج۲، ص۴۱۲۔ اعلام الوری، ص۱۸۸۔ بحار، ج۱۲، ص۱۰۵۔ روضۃ الواعظین، ص۳۶۸۔

خدا کی قسم اگر کوئی شیعہ میری زیارت کرے اور مجھ پر درود بھیجے ہم اہل بیت کی شفاعت اور خداوند عالم کی مغفرت اس پر واجب ہو جائے گی۔ پھر آپ نے اپنا چہرہ مبارک قبلہ کی طرف کیا اور نماز ادا کی اور دعا فرمائی اور جب فارغ ہوئے اپنے سر مبارک کو سجدے میں رکھا اور طولانی سجدہ انجام دیا کہ میں نے حضرت کی پانچ سو تسبیح کو شمار کیا پھر حضرت وہاں سے واپس ہوئے۔(۱)

ابن شہر آشوب، موسی بن سیار سے روایت نقل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہمراہ تھا جس وقت ہم شہر طوس کے قریب پہنچے اس کی دیواروں کے قریب سے ایک رونے کی آواز آئی میں اس آواز کے قریب گیا ایک جنازہ دیکھا اس وقت میرے مولا حضرت امام علی رضا علیہ السلام نیچے تشریف لائے اور بہت ہی مہربانی کے ساتھ اس جنازے کی تشیع میں شرکت فرمائی۔(۲)

شہر سرخس میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ورود

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سناباد و شہر طوس سے گزر کر سرخس کی جانب چلے، یہ وہ شہر ہے کہ جو پہلی صدی ہجری کے وسط میں تیسری خلافت کے دوران مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے زمانے میں سیاسی و تمدنی اعتبار سے بہت ہی خاص اہمیت کا حامل تھا۔(۳)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر ولی عہدی کو زبردستی قبول کرنے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو شہر سرخس میں محدود و محصور کر دیا گیا اگر چہ قدیمی منابع میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا شہر سرخس میں زندانی و قید ہونے کے آثار نہیں ملتے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص ۳۷۷-۳۷۸۔

(۲) مناقب آل ابی طالب، ج۲، ص ۳۹۶۔

(۳) معجم البلدان، ج۳، ص ۲۰۸۔ فتوح البلدان، ص ۳۹۸۔

یہ مطالب قدیمی علماء کے درمیان بہت کم زیر بحث رہے ہیں، جب کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام مناسب مواقع پر بنی عباس کی حکومت کی جانب سے اپنی ولی عہدی کو زبردستی قبول کرنے اور شہر مرو کی جانب اپنے سفر کی مجبوری کو ظاہر فرماتے رہے ہیں۔ نیشاپور میں رونما ہونے والا واقعہ بنی عباس اور ان کی متعصب حکومت کے لیے یقیناً ناخوش اور رنجیدہ کرنے والا تھا۔ اس لیے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سفر کے راستے کو مامون کی جانب سے متعین کیے جانے کے باوجود بھی جس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سواری شہر نیشاپور پہنچی اور وہاں پر بے نظیر استقبال ہوا اور تمام مسلمان اور دیگر چاہنے والے آپ کے پاس جمع ہوگئے اور آپ سے آپ کے جد بزرگوار کی حدیث مبارک کو سننے کے لیے خواہش مند ہوئے اور حضرت نے بھی اپنی اور اہل بیت علیہم السلام کی حقانیت اور بنی عباس کے ظلم و جور اور بطلان کے سلسلے میں حدیث سلسلۃ الذھب بیان فرمائی۔

اور خداوند عالم کے قلعہ میں ورود کی شرط اپنی ولایت و امامت کو قرار دیا، تو اس واقعہ نے بنی عباس کی حکومت کو متزلزل اور مشوش کر دیا۔

ابونصر احمد بن حسین کی روایت میں بھی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے شہر سرخس سے نکلنے کے حالات میں بھی یہی ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے دوبارہ اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ آپ کو آپ کے جد بزرگوار کے شہر مدینے سے شہر مرو میں زبردستی اور جبراً لایا گیا اور اور ولی عہدی قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔

شیخ صدوق، عبدالسلام بن صالح ہروی کی روایت کے مطابق تحریر فرماتے ہیں: میں اس گھر میں کہ جس میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام زندانی تھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے نگہبان سے اجازت کی خاطر پہنچا لیکن اس نے اجازت نہیں دی جب اس سے علت معلوم کی تو اس نے کہا کہ حضرت ہمیشہ عبادت میں مشغول ہیں اور صرف وقت ظہر سے پہلے اور پھر مغرب سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے فارغ ہوتے ہیں اور اس میں بھی مناجات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

عبدالسلام کا بیان ہے: میں نے نگہبان سے کہا کہ اسی وقت میں میرے لیے ملاقات کی اجازت لیں، نگہبان نے اجازت لی اور میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت امام علی رضا علیہ السلام جانماز پر متفکرانداز میں تشریف فرما تھے۔(۱)

اگر چہ اس روایت میں حضرت کا زندانی وقید ہونے کا ذکر ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ یہ قید وزندانی ہونا آپ کی ولی عہدی کے واقعہ سے پہلے کی بات ہے یا بعد کی۔

اگر واقعا حضرت امام علی رضا علیہ السلام شہر سرخس میں زندانی وقید رہے ہیں، تو یہ حضرت کے دوسرے سفر سے کہ جو شہر مرو سے آپ کی واپسی کا سفر ہے، زیادہ مناسبت رکھتا ہے اس لیے کہ واپسی کے موقع پر سیاسی حالات تبدیل ہوگئے تھے۔ فضل بن سہل کہ جو درباری وزیر اور عظیم سیاسی شخصیت تھی اسی شہر سرخس میں اس سیاست کی بھینٹ چڑھ کر قتل کیا جا چکا تھا۔ اور کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بھی شہادت واقع ہوئی۔

شہر مرو اور اس کی اہمیت

یعقوبی کی کتاب البلدان کے مطابق سرخس سے شہر مرو تک چار منزلوں کا فاصلہ تھا کہ جس کی پہلی منزل ''اشترمغاک'' اور دوسری منزل ''تلستانہ'' اور تیسری منزل ''دندانقان'' اور چوتھی منزل ''مرو'' تھی۔(۲)

شہر مرو اس زمانے میں ایران کے قدیمی شہروں اور عظیم صوبہ خراسان کا اہم ترین شہر شمار کیا جاتا تھا۔ یاقوت حموی اور مقدسی کے بقول شہر مرو کا موسس وبانی سکندر بادشاہ ہے۔(۳)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۴۲۶ - ۴۲۷۔ بحار الانوار، ج ۱۲، ص ۱۵۹۔

(۲) البلدان، ص ۲۷۹۔

(۳) احسن التقاسیم، ص ۳۹۸۔ معجم البلدان، ج ۵، ص ۱۱۳۔

شہر مرو کو "مروز " بھی کہا جاتا ہے اسی وجہ سے مرو کے رہنے والوں کو "مروزی" بھی کہتے ہیں۔(۱)

حافظ ابرو، اپنے جغرافیہ میں تحریر کرتے ہیں: شہر مرو خراسان کے قدیمی شہروں میں سے ہے وہ مسطح زمین میں واقع ہے کہ چاروں طرف سے دور دور تک پہاڑ نظر نہیں آتا اس کی بنیاد طہمورث نے رکھی اور اس شہر کا رقبہ ایک فرسنگ در ایک فرسنگ ہے (پانچ کلومیٹر بائی پانچ کلومیٹر) شہر مرو کی زمین کھاری اور ریتیلی ہے اور کھیتی باڑی اچھی ہوتی ہے۔(۲)

خراسان کے قدیمی جغرافیہ میں شہر مرو کے نام سے دو شہر مشہور ہیں کہ جن کے درمیان پانچ دن کا فاصلہ ہے کہ جن میں سے ایک کو ''مرو کبری'' اور دوسرے کو ''مرو صغری'' کہا جاتا تھا، مرو کبری کہ جس کو مرو شاہجہاں بھی کہا جاتا تھا وہ مرکزیت کا حامل تھا۔(۳)

تاریخی شواہد و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر مرو مسلمانوں کے ابتدائی دور میں فتح ہو چکا تھا اور آبادی روز بروز بڑھتی جارہی تھی، رفتہ رفتہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہوگیا۔ شہر مرو کو دوسری صدی ہجری میں خاص مرکزیت حاصل ہوگئی اس حد تک کہ ابن حوقل تحریر کرتے ہیں کہ شہر مرو اس زمانے میں خراسان اور خلافت، مسلمان اقوام اور لشکر کا مرکز اور دارالسلطنت تھا اور بنی عباس کی حکومت بھی اس علاقہ سے ظاہر ہو چکی تھی۔(۴)

---

(۱) فرہنگ آنندراج، اور برہان قاطع میں لفظ مرو کے ذیل میں۔

(۲) جغرافیای حافظ ابرو، خراسان کا چوتھائی حصہ (ہرات)،ص ا۔ مسالک الممالک، ص ۲۰۵۔

(۳) مسالک الممالک، ص ۲۰۵۔

(۴) صورالارض، ص ۳۶۴-۳۶۳۔

خلفاء بنی امیہ کی حکومت کے دوران، خراسان اور شہر مرو مرکز خلافت سے دوری اور بنی امیہ کے تعصب، غیر عرب کو اپنے سے کمتر اور خاص طور سے ایرانیوں کو غلام سمجھتے تھے کہ جو قرآن کریم اور اسلامی تعلیمات کے یکسر خلاف ہے لہذا مخالف تحریکوں کے آغاز کا مرکز قرار پایا اور اموی خاندان کی مخالفت کا مرکز بن گیا، بنی عباس نے اپنے قیام کا آغاز یہیں سے کیا اور مامون کے خلیفہ ہونے کے بعد شہر مرو بنی عباس کی خلافت کا دارالسلطنت قرار پایا۔

شہر مرو میں ورود

آخر کار حضرت امام علی رضا علیہ السلام مامون کے مسلسل اصرار پر شہر مرو کی جانب روانہ ہوئے اور طولانی مسافت طے کرنے کے بعد ۱۰ جمادی الآخر سن ۲۰۱ ہجری کو مامون کی خلافت کے دارالسلطنت شہر مرو میں پہنچے اور میدان الفضل نامی سرائے میں قیام کیا۔(۱) مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور آپ کے ہمراہ دیگر علویوں کے لیے ایک خاص، علیحدہ اور مناسب گھر کا انتظام کر رکھا تھا اور وہ آپ کے ساتھ بہت زیادہ احترام سے پیش آیا۔(۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے شہر مرو میں وارد ہونے پر، خاندان رسالت کے شیدا اور عاشقین نے اپنے ناقابل بیان جوش و جذبہ کے ساتھ حضرت کی تشریف آوری کا خیر مقدم اور پرجوش استقبال کیا۔

شہر مرو میں اس سے پہلے کبھی اس طرح کی خوش حالی اور شادمانی نہیں دیکھی گئی تھی۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سواری لوگوں کی بھیڑ میں کہ جو شہر سے باہر تک استقبال کے لیے آگئے تھے ایک عظیم اور پرشکوہ منظر پیش کر رہی تھی۔

---

(۱) شرح الاخبار فی فضائل الآئمۃ الاطہار، ج ۳، ص ۳۴۰۔

(۲) الارشاد، ج ۲، ص ۲۵۹۔ مروج الذہب، ج ۴، ص ۳۲۴۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اس مسافت کو طے فرما کر لوگوں کی صفوں کے درمیان سے حکومتی قصر کے نزدیک اس مکان میں قیام پذیر ہوئے کہ جو پہلے سے مامون کی جانب سے آمادہ کیا گیا تھا۔(۱)

کچھ دن اسی طرح گزرے، مامون نے اپنے آپ کو بہت مخلص میزبان ظاہر کیا اور مسلسل حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں آتا اور خصوصی احترام کے ساتھ پیش آتا، لوگ بھی گروہ گروہ حضرت کی خدمت میں زیارت سے مشرف ہوتے رہے اور مامون اس طرح مسلسل اس کوشش میں رہا کہ اپنے پہلے سے بنے ہوئے پروگرام کے تحت اپنے دلخواہ نتیجے تک پہنچ جائے۔

---

(۱) الارشاد، ج۲، ۲۵۰۔

چھٹی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر ولی عہدی کو زبردستی تحمیل کرنا

چھٹی فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر ولی عہدی کو زبردستی تحمیل کرنا

مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو کسی زیارتی یا سیاحتی سفر پر نہیں بلایا تھا۔ بلکہ اس تاسفناک، طولانی اور پر مشقت سفر کا ایک خاص ہدف تھا۔ خاندان رسالت اور علوی حضرات آپ کے اس سفر کے بارے میں تشویش میں مبتلا تھے اس لیے کہ جب بھی امام کو خلیفہ کے دارالسلطنت میں طلب کیا جاتا، تو یہ طلبی توہین، تہدید و دھمکی، قید و در بدری اور اذیت و پریشانیوں کا سبب بنتا تھا۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا شہر مرو میں ورود اور مامون کی جانب سے احترام و استقبال اور لوگوں کو ملاقات کی اجازت ملنا ایک توقع کے خلاف امر تھا کہ جس سے حساس اذہان اور بھی زیادہ تشویش اور تجسس کا شکار ہوتے جارہے تھے۔

آخر کار مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے اپنی ایک ملاقات میں اپنے مقصد کے حصول کی جانب پہلا قدم اٹھایا اور حضرت سے ایسی بات کہی کہ جس شخص نے بھی سنی سب کو تعجب ہوا، اس نے کہا:

اے فرزند رسول خدا! میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ سے خواہش کروں کہ آپ حکومت اور خلافت کو قبول فرمائیں اور امت اسلامی کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں سنبھالیں۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار فرمایا۔خلیفہ کی جانب سے اس درخواست کی کئی مرتبہ تکرار ہوئی، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ مامون نے اس اقدام میں سنجیدگی کا عنصر ضاحر کرنے لیے حکومت کی دو عظیم شخصیتوں یعنی فضل بن سہل اور حسن بن سہل کو دعوت دی اور اس مسئلہ کو ان کے سامنے رکھا، انہوں نے ابتدا میں اس اقدام کے نتیجہ کو نامناسب و ناخوشگوار جانا اور خلیفہ کو اس امر کے انجام دینے سے روکنے کی کوشش کی، لیکن مامون نے حتمی اور انتہائی قطعی طور پر کہا: میں نے خداوند عالم سے عہد کیا ہے کہ میں اس مقام کو خاندان ابوطالب کے بہترین فرد کے حوالے کروں گا اور چون کہ تمام مسلمانوں کے درمیان حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے زیادہ بہتر و برتر کوئی نہیں ہے لہذا میں نے ارادہ کیا ہے مسلمانوں کی قیادت و رہبری حضرت کے حوالے کروں۔(۲)

مامون کی سب سے بڑی سیاسی چال

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مامون کی جانب سے حکومت وخلافت دینے یا ولی عہدی کی پیشکش کی جزئیات بیان کرنے اور مامون کے اہداف کی تحلیل وتجزیہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ یہ ذکر کر دیا جائے کہ تاریخ اسلام میں بلکہ انسانی معاشرے کی تاریخ میں خودسر اور مغرور حاکموں کی دو قسمیں ہیں:

الف -ایک حاکموں کا گروہ ہے کہ جو مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے زور وزبردستی، ظلم وجبر اور قتل وغارت سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو ان کا تشدد و بے رحمی، سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۴۹۔

(۲) الفصول المہمہ ،ص۲۳۷۔

جیسا کہ اسلامی تاریخ میں یزید، حجاج بن یوسف ثقفی، منصور دوانقی وغیرہ جیسے افراد خونریز و بے رحم حاکموں کے واضح نمونہ ہیں۔

ب - حاکموں کا دوسرا گروہ وہ ہے کہ جو زور و زبردستی اور ظلم و تشدد کے بجائے سیاسی چال، فریب فراڈ، دھوکے اور جال سے کام لیتے ہیں! البتہ یہ سب اس لیے نہیں کہ وہ قتل و غارت اور ظلم تشدد کو نامناسب عمل جانتے ہوں بلکہ وہ اس بات کے معتقد ہوتے ہیں کہ مخفی راہیں، سیاسی چالیں اور دھوکے و جال معمولا بہتر، پائدار اور نفع بخش ہوتے ہیں اگر چہ ان کا نتیجہ دیر سے بر آمد ہوتا ہے اور امکانات کی بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، اسی لیے اگر وہ لوگ جب کبھی اپنی سیاسی چالیں اور جال و دھوکے کو نتیجہ خیز نہیں پاتے تو کسی بھی اقدام سے گریز نہیں کرتے اور کسی بھی اصول اخلاقی و انسانی اقدار کا لحاظ نہیں کرتے۔

انسانی عالمی تاریخ اور اسلامی تاریخ نے دونوں قسموں کے حاکموں کے دور دیکھے ہیں اگر ہم صرف مسلمان معاشروں کی تاریخ کو بھی مد نظر رکھیں تو دیکھیں گے کہ دوسری قسم کے حاکم اور سیاسی شخصیتیں اپنے ہدف و مقصد کو حاصل کرنے میں زیادہ کامیاب رہی ہیں اور وہ زیادہ مدت و عرصہ تک تختہ حکومت پر براجمان رہے اور صدیوں تک اپنی اصلی سیرت اور واقعی چہرے کو لوگوں سے مخفی رکھنے میں کامیاب بھی رہے، ہمیشہ قوم و ملت کے درمیان ان کے طرفدار موجود رہتے ہیں! خلفاء بنی امیہ میں معاویہ کی سیاست اور چالیں اسی قسم کی حکومت میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے کہ وہ سب چیزوں سے زیادہ اپنے مخالفین کو لالچ دینے کی فکر میں رہتا، اور اپنی حکومت کے استمرار و دوام کے لیے سیاسی چالیں اور عمرو عاص جیسے مکار افراد کو اپنا مصاحب رکھتا جیسا کہ جنگ صفین میں ہوا، اپنی قطعی شکست سے بچنے کے لیے قرآن کریم کو نیزہ پر بلند کرنا اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں تفرقہ ایجاد کرنا یہاں تک کہ بہت سے افراد خود حضرت کے مقابلے میں آ گئے۔ جب کہ اسی کے بیٹے یزید نے سیاسی جعلسازی و مکر و فریب نہ جاننے کی وجہ سے قتل و غارت کا سہارا لیا جس کی وجہ سے ایسی ننگ و رسوائی کا نمونہ بنا کہ متعصب ترین مورخین بھی اس کی حکومت کی رسوائی کے دھبوں کو کم رنگ نہ کر سکے۔

خلفاء بنی عباس کے درمیان بھی دونوں طرح کی حکومتیں نظر آتی ہیں کہ جن میں سے بعض نے بہت زیادہ شقاوت کا مظاہرہ کیا ہے اور بعض نے ظاہری کشادہ روئی اور دور اندیشی کے ذریعے اپنے ہدف تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

بنی عباس کی حکومتوں میں دونوں طرح کے نمونہ بہت زیادہ ہیں، لیکن ہماری گفتگو کا موضوع مامون کی جانب سے حکومت یا ولی عہدی کی پیشکش ہے کہ جو اہم ترین سیاسی چالوں میں سے ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ مامون کا حکومت یا ولی عہدی کا پروگرام بہت بڑی سیاسی چال اور تاریخ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کا سب سے بڑا دھوکا اور فریب تھا۔تو وہ یقیناً صحیح دعوی ہے۔اس لیے کہ مختلف وکثیر دلیلوں سے یہ ثابت ہے کہ مامون اصلا حکومت چھوڑنے اور قدرت و سیاست سے دست بردار ہونے والا نہیں تھا۔لہذا حکومت کو دینے کی پیش کش اس کے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت ایک چال تھی، وہ چال کہ جو کسی نے بھی مامون سے پہلے نہیں چلی تھی۔

مامون کے سیاسی کھیل کی گہرائی، اس کی شخصیت کی پیچیدگی اور اس کے کارناموں کے واضح ہونے کے لیے چند بنیادی سوال بہت اہم ہیں:

۱- کیا مامون کی پیش کش، اس کے دینی اعتقاد اور اخلاقی شخصیت کی بنیاد پر تھی اور اس نے صداقت کی بنا پر اظہار کیا تھا؟

۲- مامون، سیاست اور حکومت چلانے میں کس مشکل سے دوچار تھا کہ جس کو وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو حکومت یا ولی عہدی سپرد کر کے حل کرنا چاہتا تھا؟

۳- کیا یہ ممکن نہ تھا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ابتداء ہی میں مامون کی پیش کش قبول فرما لیتے اور حکومت کو مامون کے ہاتھوں سے لے کر ہمیشہ کے لیے اس کی راہ مسدود کر دیتے؟

مامون کی دینی اوراخلاقی شخصیت

مامون ایک چالاک اور دینی واعتقادی مباحث سے آشنا شخص تھااور علمی گفتگو ومناظروں سے محظوظ ہوتا تھا۔ یہ صفات اس کی اچھی اور مثبت تصویر پیش کرسکتی ہیں، لیکن ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس نے ایسے کارنامے بھی انجام دیے کہ جو ہر محقق کو سوچنے اور اس کے بارے میں شکوک وشبہات پر مجبور کرتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ مامون اور اس کا بھائی امین دونوں مسلمان مملکت کے ایک ایک حصہ پر حاکم تھے یہاں تک کہ ان دونوں میں ہوس ملک گیری کی آگ بھڑک گئی اور ایک دوسرے کے خلاف لشکر کشی کردی جس میں امین قتل ہوگیا اور مامون بلاشرکت غیر حاکم کی حیثیت سے تمام مسلم ممالک کا سربراہ ہوگیا۔

ممکن ہے مامون نے کچھ مثبت کارنامے بھی انجام دیے ہوں، لیکن اس کے بعض افعال جیسے اپنے بھائی امین کا قتل اس کے بقیہ کارناموں پر پانی پھیر دیتا ہے اور اس کی تمام سیاسی چالوں اور مکر وفریب کو فاش کرکے اس کے حقیقی چہرے کو سامنے لے آتا ہے۔ بے شک تاریخ کے سفاک ترین افراد نے بھی اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی عوام پسند روش کو اپنایا ہے لیکن ان کی یہ ظاہر سازی ان کے ظلم وتشدد اور خونخوار چہرے کو کبھی بھی نہیں چھپاسکی۔

مامون اپنی حکومت کے لیے کس قدر اہمیت کا قائل تھا؟ کیا وہ دینی ومعنوی اعتبار سے اپنے آپ کو حکومت وخلافت کا اہل سمجھتا تھا جو اپنے تھائی کو قتل کردیا اور اس کا بھائی اس صلاحیت سے عاری تھا؟

یقیناً مامون دینی ومعنوی اعتبار سے اپنے آپ کو اپنے بھائی سے زیادہ اہل نہیں سمجھتا تھا، لیکن جب اس کے بھائی امین نے اس کو اس کے مقام سے معزول کرنے کا ارادہ کیا تو یہ اس کی برداشت سے باہر تھا لہذا اپنے تخت کو بچانے کے لیے امین سے جنگ پر آمادہ ہوگیا۔

لیکن کم از کم وہ یہ کر سکتا تھا کہ اپنے بھائی کو قتل نہ کرے۔

اگر مامون اپنی حکومت کو من جانب اللہ نہیں سمجھتا تھا جیسا کہ ظاہر ہے اور اسی لیے وہ کہتا تھا کہ میں اس حکومت کو خاندان علوی میں سے بہترین فرد کے حوالے کر دوں! پھر کیا وجہ تھی کہ وہ اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ ہوا تو کیا وہ قدرت طلبی کے علاوہ کچھ اور تھا؟

کیا اسلام نے اس کو اجازت دی ہے کہ وہ اس حق کی خاطر کہ جو اس کا نہیں ہے اپنے بھائی تک پر رحم نہ کرے؟ یہ بات ہی اس کی حقیقت کو فاش کرنے کے لیے کافی ہے کہ اس کی منفی شخصیت اور اخلاقی و دینی حیثیت کو برملا کر دے۔

مامون کی رفتار و گفتار میں تضاد

مامون اپنے بھائی امین کو قتل کرنے اور مکمل غلبہ حاصل کرنے کے بعد اپنی حکومت کے ثبات اور دوام کی فکر میں پڑ گیا۔ وہ اپنے رقیب کی طرف سے بے فکر ہونے کے بعد ہر طرف سے آسودہ خاطر ہونا چاہتا تھا اور ہر طرح کے موانع اور خطرات و دھمکیوں سے یکے بعد دیگرے نمٹنے کی کوشش میں تھا۔

اس مرحلہ پر پہنچ کر اس نے طے کیا کہ وہ اولاد فاطمہ اور آل رسول سے بھی اپنا حساب صاف کرے اس لیے کہ اس سے پہلے بھی کوئی حکومت یا خلیفہ، خواہ بنی امیہ ہو یا بنی عباس سے، اہل بیت علیہم السلام کے معنوی اقتدار اور عدالت طلب تحریکوں کو اپنے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔

مامون یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ قرآن کریم میں آل رسول کی بہت زیادہ تمجید و تکریم ہوئی ہے اور مومنوں کو ان سے محبت و مودت کا حکم دیا گیا ہے۔ اسے بخوبی علم تھا کہ منصف مزاج دیندار افراد اہل بیت علیہم السلام کی قدر و منزلت سے واقف ہیں اور ان کے پیرو ہیں اور ان سے ہدایت کے طالب ہیں۔ وہ اس بات کو بھی جانتا تھا کہ بنی امیہ اور بنی عباس نے اگر لوگوں کے جسموں پر حکومت کی ہے تو خاندان رسول نے مومنوں کے قلوب و افکار پر حکومت کی ہے۔

مامون خود اس بات کا شاہد تھا کہ اس کا باپ ہارون کس طرح مسلمانوں کے درمیان حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کے وجود سے خوف میں مبتلا رہتا تھا اور مسلسل دین کے پیشوا کو تنگ و تاریک زندان میں رکھا اور طرح طرح کے آزار و اذیت پہنچائیں، آخر کار مظلومانہ طور پر شہید کر دیا۔ اب اس کا وقت تھا کہ اپنی مشکل کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے حل کرے لیکن اس نے یہ بھی دیکھ رکھا تھا کہ یزیدی اور ہارونی حربے ان کے لیے بہت زیادہ کار آمد ثابت نہیں ہوئے لہذا یہ جانتا تھا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو زندان یا قتل کرنے سے مخفی اور خفیہ تحریکیں دوبارہ زندہ اور فعال ہو جائیں گی۔

یہ تمام عوامل باعث بنے کہ مامون سب سے حیرت انگیز اور گہری سیاسی چال چلے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مرکز طلب کر کے آپ سے حکومت سنبھالنے کا مطالبہ کرے۔

مامون خود حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے: "اے فرزند رسول خدا! میں آپ کے فضل، زہد، تقوی اور عبادت سے آگاہ ہوں لہذا آپ کو اپنے آپ سے زیادہ خلافت کا مستحق سمجھتا ہوں"۔(۱)

مامون ایک اور موقع پر، ان لوگوں سے کہ جو مامون کے مخفی رازوں سے ناواقف تھے اور مامون کو حکومت چھوڑنے سے منع کرتے تھے، کہتا ہے: "میں نے خداوند عالم سے عہد کیا ہے کہ اس مقام کو خاندان ابوطالب کے بہترین فرد کے حوالے کر دوں اور چوں کہ تمام مسلمانوں کے درمیان حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے بہتر کوئی نہیں ہے لہذا میں نے ارادہ کیا ہے کہ اس امت کی زمام ان کے حوالے کر دوں"۔(۲)

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۴۹۔ امالی صدوق، ص ۶۸۔ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۲۹۔

(۲) مقاتل الطالبین، ص ۵۶۳۔ الفصول المہمہ، ص ۲۳۷۔

مامون کا یہ اظہار خیال ممکن ہے بعض افراد کو حقیقی اور واقعی معلوم ہو لیکن وہ لوگ کہ جو مامون کی شخصیت اور اس کی سیاسی، فکری اور عملی چالوں سے اچھی طرح سے واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ اس کا کردار منافقانہ اور دوغلے پن سے بھرا پڑا ہے۔ اس لیے کہ مامون وہی شخص ہے کہ جس نے اپنے اقتدار کے رقیب بھائی کو قتل کر دیا تو کیا پھر وہ حکومت، آل علی کے حوالے کرے گا؟۔

اس کے علاوہ بھی، اگر مامون حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو سب سے افضل واعلیٰ اور بہترین و شائستہ فرد جانتا تھا، تو پھر کیوں جبراً حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ان کی مرضی کے خلاف کو مدینے سے شہر مرو لانے کا حکم دیا؟۔

اگر واقعی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو حقدار منصب واقتدار سمجھتا تھا تو خود حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور مدینہ میں حضرت سے حکومت کی پیش کش کرتا۔

یہ امر باعث تعجب ہے کہ بعض کوتاہ فکر افراد نے مامون کی اس سیاسی چال کو نہیں سمجھا اور دھوکا کھایا کہ مامون کو شیعہ سمجھ بیٹھے، جب کہ مامون کے تمام اقدامات شیعہ اعتقادات کے مخالف تھے۔

کوئی بھی واقعی اور حقیقی شیعہ ایک لمحہ کے لیے بھی جائز نہیں جانتا کہ امام معصوم کے ہوتے ہوئے ان کی جگہ غصب کرے اور اپنے آپ کو حاکم، صاحب ولایت اور امیر المومنین کہلوائے۔

حقیقی شیعہ، اپنے امام کو کسی چیز کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، چاہے وہ امام کا حق ہی کیوں نہ ہو۔ حقیقی شیعہ سلطنت واقتدار کی خاطر اپنے بھائی کو قتل نہیں کر سکتا۔

اصلی سبب؟

گذشتہ صفحات پر موجود بحث کے نتیجہ میں یہ سوال وجود میں آتا ہے کہ کیا مامون حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اثرات محدود کرنے یا انہیں اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے کسی اور طریقہ کار یا حربے سے نا واقف تھا جو اس نے حکومت دینے یا آخر کار ولی عہدی سپرد کرنے کا راستہ اختیار کیا؟

جواب میں کہا جائے گا کہ: مامون نے اپنی سیاست میں جدید طریقہ اختیار کیا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی حکومت کے شرائط اور حالات ایسے تھے، اس لیے بھائی کے قتل ہونے سے پہلے بنی عباس جو حکومت کے حصہ دار، حامی اور طرفدار تھے دو حصوں میں منقسم ہو گئے تھے ایک گروہ امین کا طرف دار تھا دوسرا مامون کا حامی تھا۔ امین کے قتل ہونے کے بعد اس کے طرفدار اپنے آپ کو شکست خوردہ سمجھ رہے تھے اور مامون اپنے آپ کو ان کے مقابل میں دیکھ رہا تھا لہذا مامون کے وزیر فضل بن سہل کے بقول مامون لوگوں کی زبان وتلوار کی زد میں تھا۔(۱)

لہذا مامون بنی عباس کی مکمل حمایت نہ ہونے کی صورت میں آل رسول سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ اس صورت میں وہ دو جانب سے نبرد آزما ہوتا اور مختلف تلواروں اور تحریکوں سے مقابلہ کرنا پڑتا۔ خاندان رسول کو حکومت یا ولی عہدی دینے کا مسئلہ قطعی طور پر غیر متوقع اور تعجب آور تھا۔ کہ جس نے کچھ عرصہ تک اہل بیت علیہم السلام کے چاہنے والے اور بنی عباس دونوں کو حیرت زدہ اور استعجاب کی کیفیت میں مبتلا رکھا اور ان کی فکریں اس مسئلہ کی تحلیل وتجزیہ کرنے پر ہو گئیں جبکہ وہ ہر طرح کے خطرات سے محفوظ ہو گیا۔ اس معمہ کی بہترین تعبیر یہی ہے کہ حکومت یا ولی عہدی کے دینے کا مسئلہ مامون کے لیے ایک بہترین راستہ تھا کہ جسے اختیار کر کے ایک ساتھ دو جنگی میدانوں سے محفوظ اور امان پا گیا۔

وہ اپنے اس اقدام سے علوی اور شیعوں کی تحریکوں کو متوقف کرنا چاہتا تھا اور اس پیش کش کے ساتھ وہ لوگ ظاہرا خاموش ہو گئے، اسی طرح بنی عباس میں سے وہ افراد کہ جو مامون سے ناراض تھے وہ بھی عجیب صورتحال سے دوچار ہو گئے اور علوی وشیعوں کی تحریکوں کی خاموشی کی وجہ سے ان میں یہ جرئت نہیں تھی کہ وہ مسلحانہ طور پر مامون کے مقابلے کے لیے نکلیں، علوی وشیعوں کے سکوت کا مطلب تھا گویا سیاسی سکون اور ایسا سکون کہ جو اس وقت تک کسی بھی اموی یا عباسی خلیفہ کو نصیب نہیں ہوا تھا۔

---

(۱) سل علینا سیوف الناس والسنتھم۔ تاریخ الامم والملوک، ج۷، ص۱۰۱۔

حکومت کی پیش کش: دودھاری تلوار

مامون کے زمانے کے حالات کی تحلیل اور علوی وشیعوں کی تحریکوں سے درگزر اور آل رسول سے اچھا سلوک، ذہن میں فطری طور پر سوال ابھارتا ہے کہ کیا مامون کو یہ خطرہ اور خوف نہیں تھا کہ اگر حضرت امام علی رضا علیہ السلام حکومت کو قبول کر لیں اور اس سمیت تمام بنی عباس کو حکومت سے بیدخل کر دیں اور ان کے ہاتھ ہر طرح کی سیاست سے پاک کر دیں جیسا کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے دور خلافت میں معاویہ کے شام پر گورنر رہنے کے لیے راضی نہ ہوئے؟

تو اس سوال کے جواب میں کہا جائے گا کہ: مامون جیسا دوغلا انسان کسی بھی معاملہ کے تمام پہلو کو سوچے سمجھے بغیر اقدام نہیں کر رہا تھا۔

جب مامون کے زمانے کے اجتماعی وسیاسی شرائط کا اچھی طرح مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو حکومت کی پیش کش کر کے دودھاری تلوار بنائی تھی کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام تلوار کے جس رخ کو بھی اختیار کریں، سیاست کے میدان میں جیتنے اور کامیابی والا رخ مامون ہی کا ہوگا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام حکومت کو قبول فرمائیں یا رد کریں۔ حکومت قبول کرنے اور پیش کش کو ماننے کی حالت میں جو کامیابی کا رخ مامون کو ملتا وہ کچھ اس طرح ہوتا:

۱- وہ اور اس کے طرفدار ہر سطح اور موقع پر یہ تبلیغ کرتے کہ علوی اور شیعوں کی تحریکوں کا مقصد اور بنی فاطمہ کے مخفی اور آشکار کوششوں کا ہدف حکومت کو حاصل کرنا ہے نہ کہ عدالت قائم کرنا اور شریعت نافذ کرنا۔ لہذا اس خاندان کا زہد وتقوی حقیقی نہیں ہے بلکہ دنیا اور دنیا داری کا حصول نہ ہونے کی وجہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حکومت ملنے کا موقع ملا وہ فوراً اس کی جانب لپکے اور بغیر کچھ سوچے سمجھے قبول کر لیا اور لباس خلافت زیب تن کر لیا۔

یہ نکتہ خود حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور مامون کے درمیان گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ حب حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کے اس ہدف سے پردہ فاش کیا۔(۱) ہم آئندہ کے صفحات میں اس پر مکمل گفتگو کریں گے۔

۲- حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا مامون کی پیش کش کے مطابق حکومت کو قبول کرنا، گویا مامون کی خلافت کی حقانیت کو قبول کرنے کے مترادف تھا، شیعہ امامیہ عقیدے کے لحاظ سے امام، اللہ کی طرف سے صاحب ولایت وخلافت ہے اور جو شخص بھی امام کی موجودگی میں مسند خلافت پر بیٹھتا ہے گویا اس نے ان کے مقام کو غصب کیا ہے۔

یہ بات شک وشبہہ سے بالاتر ہے کہ خلافت امام کا حق ہے، لیکن وہ خلافت نہیں کہ جو مامون کے ہاتھوں سے ملے۔ مامون شاہی میراث کا وارث تھا نہ کہ خلافت الٰہی ومعنوی ودینی ریاست کا، مامون غاصب تھا اور حق نہیں رکھتا تھا کہ خلافت حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرے۔(۲)

مامون کے ہاتھوں سے حکومت کے قبول کرنے کی صورت میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی عزت وعظمت میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ معنوی مقام اور اجتماعی عزت کی کمی کا سبب بنتا۔

۳- اگر حضرت امام علی رضا علیہ السلام حکومت کو قبول فرمالیتے، تو مامون لوگوں میں یہ بات عام کردیتا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام حکومت پر نظریں گاڑے بیٹھے تھے اور اسی لیے علوی وشیعوں کی تحریکوں کی مخفیانہ سرپرستی فرمارہے تھے۔ لہذا وہی اس تمام قتل وغارت اور فسادات کے ذمہ دار ہیں کہ جو علوی اور شیعوں نے تمام اسلامی ممالک میں برپا کررکھے ہیں، اس پروپیگنڈے کے نتیجہ میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے علنی محاکمہ کا راستہ فراہم ہوجاتا۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۴۰۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۳۹۔ امالی صدوق، ص۶۸۔ بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۲۹۔

اور پھر اس بات کی بھی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے قبول کرنے سے حقیقت میں وہ آپ کو حکومت دے دیتا بلکہ یہ ہوسکتا تھا کہ وہ آپ کو آزمائش میں ڈالکر اپنے مقصد کو پہنچ جاتا۔(۱)

۴۔ممکن ہے بعض کوتاہ فکر اور اجتماعی و سیاسی مسائل سے ناآشنا افراد یا وہ افراد کہ جو شیعہ عقائد کے بارے میں (۲) متعصب ہیں وہ اس پیش کش کو سچ سمجھتے ہوں، لیکن امام جانتے تھے کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو حکومت منتقل کرنا گویا ایک گروہ سے دوسرے گروہ کی طرف منتقل کرنا ہے اور ایک خاص نظریہ سے دوسرے نظریہ کی طرف منتقل کرنا ہے کہ جو اتنا سادہ نہیں جیسا بظاہر نظر آتا ہے۔

امام جانتے ہیں کہ بنی عباس نے اپنے طولانی دور حکومت میں تمام شہروں اور علاقوں میں سیکڑوں حاکم، گورنر اور قاضی مقرر کرر کھے ہیں جو سب ان کے رشتہ دار اور طرفدار ہیں۔

انہی لوگوں کی وجہ سے مرکزی حکومت برقرار ہے ٹیکس و مالیات خلیفہ کو بھیجتے ہیں اور ضرورت کے وقت لشکر مہیا کرتے ہیں تنہا خلیفہ کبھی بھی ان سب کا مقابلہ میں نہیں کرسکتا۔ وہ لوگ سب اپنے اپنے مقام پر ایک اقتدار کے حامل ہیں اور وہ مرکزی حکومت کو کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ایک اتفاقی امر کے تحت ان کے مقام و منصب کو خطرے میں ڈال دے۔ وہ لوگ کبھی بھی مامون کو یہ اجازت نہ دیتے کہ وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو حکومت کی باگ ڈور دے کر بنی عباس کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لیے حکومت کا صفایا کردے اور علوی وشیعہ حکومت واقتدار کو سنبھال لیں۔

لہذا امام جانتے تھے کہ مامون کی حکومت کی پیش کش صرف ایک دھوکا اور زبانی جمع خرچ ہے یا ایک سیاسی جال اور ایک آزمائش کے علاوہ کچھ نہیں ہے لہذا کبھی بھی اس حکومت کو قبول نہیں کرسکتے تھے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۶۷۔

(۲) تاریخ الخلفاء،ص۳۰۷۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور مشکل ترین دوراہا

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ مامون کی جانب سے حکومت کی پیش کش دودھاری تلوار تھی، کہ جس کو مامون نے امام کے خلاف نیام سے نکالا تھا، اگر امام اس کو قبول کر لیتے تو امام کی حرمت پر حرف آتا، بنی عباس کی حکومت کی وجاہت و مقام کی اہمیت بڑھتی اور اس کو قانونی حیثیت مل جاتی۔ اس صورت میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام دنیا طلبی میں متہم ہو جاتے اور آپ کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کیا جاتا۔

لیکن اگر امام قبول نہ فرماتے تو مامون اور بھی زیادہ اپنے آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی کے قریب محسوس کرتا، اس لیے کہ وہ علوی اور شیعوں کے درمیان یہ دعوی کر سکتا تھا کہ میں نے حکومت حضرت کی خدمت میں پیش کی لیکن انہوں نے خود ہی نے قبول نہیں فرمایا اور ان کی نظر میں خلافت میرے ہاتھوں میں رہنا زیادہ مناسب ہے!۔ اس لحاظ سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام جو راہ بھی منتخب فرماتے مامون اس سے سوئے استفادہ کر سکتا تھا۔ لہذا امام کو ایسا راستہ اختیار کرنا تھا کہ جس میں مامون کا فائدہ بہت تھوڑا اور شیعوں اور عام مسلمانوں کا کم نقصان ہو۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام حکومت کی پیش کش کو بہت شدت کے ساتھ رد کرتے ہیں اور یہ مامون کے لیے غنیمت ہے وہ اس قضیہ میں دوسرے با اثر افراد کو بھی گھسیٹتا ہے اور ان کے ذریعہ امام کو حکومت کی طرف راغب کرنے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ حضرت منصب قبول فرمالیں (۱) اکثر افراد تو ایسے بھی ہو سکتے ہیں کہ جو مامون کے حقیقی ہدف سے ہی بے خبر ہوں کہ وہ اس کو نصیحت کریں کہ حکومت کو اپنے پاس رکھے اور امام پر نہ چھوڑے، لیکن مامون، ظاہری صورت میں اس طرح کے مطالب کے ذریعہ کہ ''میں نے عہد کر لیا ہے'' ''میں نے نذر کی ہے'' اور ''مجھے اپنے عہد و نذر کو پورا کرنا ہے'' ان لوگوں کو قانع کرے کہ وہ امام اور اس کے درمیان واسطہ بنیں۔ (۲)

---

(۱) مقاتل الطالبین، ص ۵۶۲۔ (۲) الفصول المہمہ، ص ۲۵۵۔

مامون کا اصرار اور امام کا انکار

خلیفہ کی جانب سے حکومت کو منتقل کرنے پر اصرار اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی جانب سے مسلسل انکار بہت سے لوگوں کے لیے بہت تعجب انگیز تھا۔ ایک روز فضل بن سہل مامون کے دربار سے باہر نکلا اور اپنے دوستوں کے پاس گیا اور ان سے کہا: تم لوگ آج کل کے حوادث اور اہم ترین واقعات کے بارے کیوں کر آگاہ نہیں ہو! میں نے نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی خلیفہ اپنی حکومت کسی کو دینا چاہتا ہو اور دوسرا شخص قبول کرنے سے انکار کر رہا ہو۔ آج یہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہیں کہ جو اس کو قبول کرنے سے انکار فرما رہے ہیں۔(۱)

عبدالسلام بن صالح ہروی کہتے ہیں: ایک روز مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: اے فرزند رسول خدا! میں آپ کے فضل، زہد و تقوی اور عبادت سے اچھی طرح باخبر ہوں، لہذا میں اپنے آپ سے زیادہ آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتا ہوں۔ امام نے فرمایا: میں خداوند عالم کی بندگی پر افتخار کرتا ہوں اور مجھ کو امید ہے کہ دنیا سے بے رغبتی کی وجہ سے اس کی آفتوں سے دور اور محرمات الہی سے پرہیز کر کے کامیابی کا حصول اور تواضع و فروتنی اور انکساری کے ذریعہ خداوند تبارک و تعالی کے نزدیک بلند و بالا مقام حاصل کروں۔(۲)

اس اہم مسئلہ پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور مامون کے درمیان متعدد مرتبہ مفصل گفتگو ہوئی۔ لیکن کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو سکا اور امام نے مامون کے اصرار کا فیصلہ، قطعی انکار کی صورت میں جواب دیا، ایسا جواب کہ جو دنداں شکن اور بے نظیر تھا، اس میں چند نکتے پوشیدہ تھے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۴۱۔ مقاتل الطالبین، ص۵۴۳۔
(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۴۱۔

امام نے فرمایا: "ان كانت هذه الخلافة لك والله جعلها لك فلايجوز ان تخلع لباسا البسك الله و تجعله لغيرك ، وان كانت الخلافة ليست لك فلايجوز لك ان تجعل لى ما ليس لك"۔(۱)

اگر خلافت تیرا حق ہے اور خداوند عالم نے یہ حق تیرے لیے معین کیا ہے تو تیرے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تو اس کو اپنے آپ سے دور کرے اور وہ لباس کہ جو خداوند عالم نے تجھے پہنایا ہے اپنے بدن سے اتار پھینکے اور دوسرے کے بدن پر اڑھا دے اور اگر یہ حکومت وخلافت تیرا حق نہیں ہے اور تو اس کا مستحق نہیں ہے تو تجھ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ جو چیز تیری نہیں ہے وہ مجھ کو دے۔

مامون نے کہا: آپ کے لیے اس کو قبول کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

امام نے فرمایا: میں کبھی بھی اپنی مرضی سے قبول نہیں کروں گا۔

خلیفہ نے کہا: اگر آپ خلافت کو قبول نہیں کرتے تو میرا ولی عہد ہونا قبول فرمائیں۔

امام نے فرمایا: میرے آباء واجداد نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل فرمایا ہے کہ میں تجھ سے پہلے انتقال کر جاؤں گا اور مظلومیت کے ساتھ زہر دیا جاؤں گا، زمین وآسمان کے فرشتے مجھ پر گریہ کریں گے اور وطن سے دور ہارون الرشید کے کی قبر کے پاس دفن کر دیا جاؤں گا۔(۲)

مامون نے گریہ کیا اور کہا: جب تک میں زندہ ہوں کون آپ کا بال بیکا کر سکتا ہے۔

امام نے فرمایا: اگر میں چاہوں تو اس کا نام بھی بتا سکتا ہوں اور اس کا تعارف بھی کرا سکتا ہوں۔

مامون نے کہا: آپ اصل مسئلہ سے پہلو تہی فرما رہے ہیں اور میری پیش کش کو قبول نہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کو یہ تاثر دیں کہ آپ دنیا سے بیزار اور بہت زاہد ہیں۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۴۰-۱۳۹۔

(۲)"انى اخرج من الدنيا قبلك مقتولا بالسم مظلوما--- "ینابیع المودۃ، ص۳۸۴۔

امام نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ تمہارا مقصد یہی ہو کہ مجھ پر ولی عہدی کو زبردستی تھونپ کر لوگوں کو یہ بتاؤ کہ میں دنیا طلب ہوں۔

مامون غضبناک ہوا اور کہا: خدا کی قسم یا ولی عہدی کو قبول فرمائیں یا پھر میں جبرا آپ کو اس کے قبول کرنے پر آمادہ کروں گا۔(۱)

ولی عہدی

سب سے پہلے جس نے تاریخ اسلام میں ولی عہدی کی بدعت و بنیاد رکھی وہ معاویہ بن ابی سفیان تھا۔(۲) اس کے بعد یہ سلسلہ بنی امیہ اور بنی عباس میں جاری رہا کہ ولیعہد کا تعین کرنا صرف خلیفہ کی مرضی اور انتخاب کے تحت ہوتا اور کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہوتا تھا اور یہ معمولا خلیفہ کی اولاد، خاندان وغیرہ میں سے چنا جاتا، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ معاویہ کے زمانے کی بعد والی تمام حکومتیں اور خلافتیں ایک میراث کی صورت اختیار کرچکی تھیں اور خلافت بادشاہت میں تبدیل ہوچکی تھی، معاویہ کی جانب سے یزید کی ولی عہدی کے بعد ایک روز سعید بن میسّب نے کہا: خداوندعالم معاویہ کو معاف نہ کرے اس کارنامہ کی وجہ سے کہ جو اس نے انجام دیا، وہ سب سے پہلا شخص ہے کہ جس نے اسلامی حکومت کو بادشاہت میں تبدیل کردیا، اس لیے کہ وہ خود کہتا تھا کہ اسلام کے ظہور کے بعد'' میں اسلام کا پہلا بادشاہ اور سلطان ہوں''۔(۳)

ان تمام باتوں کے باوجود مامون پہلا شخص ہے کہ جس نے ولی عہدی کو سیاسی چال کے طور پر استعمال کیا، البتہ بعض افراد اس انوکھے خیال کا موجد فضل بن سہل کو سمجھتے ہیں۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۴۰۔

(۲) تاریخ یعقوبی، ج۲،ص۲۳۲۔ تاریخ الخلفاء، ص۱۹۶۔

(۳) تاریخ یعقوبی، ج۲،ص۲۳۲۔

ابوالفضل بیہقی نے اسی نظریہ کو قبول کیا ہے اور رقمطراز ہے: جب امین کا قتل ہو گیا فضل بن سہل نے چاہا کہ خلافت کو بنی عباس کے ہاتھوں سے نکال لے اور علویوں کے ہاتھوں میں دے۔ اسی وجہ سے اس نے مامون سے کہا: آپ نے نذر کی تھی کہ اگر آپ امین پر کامیاب ہو جائیں تو اپنا ولی عہد علویوں میں سے قرار دیں گے لہذا خواہ حکومت ان کو نہ بھی ملے لیکن پھر بھی آپ اپنی نذر پر عمل کریں۔

مامون نے کہا: تم صحیح کہہ رہے ہو! اب میں کس شخص کو اپنا ولیعہد بناؤں؟ فضل نے کہا: حضرت امام علی رضا علیہ السلام کہ جو اپنے زمانے کے امام ہیں اور اس وقت مدینہ میں ہیں۔ (۱)

شیخ صدوق نے عبیداللہ بن عبداللہ بن طاہر سے ایک بیان نقل کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: فضل نے مامون سے چاہا کہ تقرب الٰہی اور رسول خدا سے قربت حاصل کرنے کے لیے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا ولیعہد بنا کر ان سے صلہ رحم کرے اور ہارون کے ذریعہ اس خاندان پر کیے گئے ظلم وستم کو دھو ڈالیں، مامون اس کی پیش کش کو آسانی سے رد نہیں کر سکتا تھا لہذا موافقت کر دی۔

اس نے رجا بن ابی ضحاک اور یاسر خادم کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو لانے کے لیے مرو سے مدینہ بھیجا اور آخر کار اس کی خواہش کو عملی جامہ پہنایا اگر چہ بعد میں پشیمان ہوا۔ (۲)

بہر حال بعض مورخ جیسے ابن اثیر (۳) اسی نظریہ کے طرفدار ہیں کہ اس مسئلہ کا موجد فضل بن سہل ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ مامون کی حکومت کے بعض اعلی فوجی سرداروں نے مامون کو مجبور کیا کہ وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو اپنا ولیعہد بنائے۔

---

(۱) تاریخ بیہقی، ص ۱۷۰۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۴۷۔

(۳) الکامل فی التاریخ، ج ۶، ص ۳۲۶۔

ان دونظریوں کے مقابلے میں بعض افراد سمجھتے ہیں کہ یہ مسئلہ خود مامون کی اپنی فکر کا نتیجہ ہے اور تاریخی منابع بھی اسی کی گواہی دیتے ہیں۔

ریان بن صلت کہتے ہیں: حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بیعت کے بعد عوام اور فوج میں یہ مشہور ہو گیا کہ اس ولی عہدی کا موجد فضل بن سہل ہے، یہ خبر مامون تک پہنچی وہ بہت غصہ ہوا، مجھ کو رات ہی کو طلب کیا اور جب میں اس کے پاس پہنچا، اس نے مجھ سے کہا: اے ریان لوگوں کا گمان یہ ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بیعت کا مسئلہ فضل بن سہل کی فکر ہے، میں نے کہا: جی ہاں۔ لوگوں کا یہی خیال ہے۔ مامون نے کہا: اے ریان تجھ پر وائے ہو! کون مجھ پر ایسی جسارت کر سکتا ہے کہ مجھ کو حکومت چھوڑنے پر مجبور کرے اور میں اس کو کسی دوسرے کے حوالے کر دوں۔ کیا اس بات کو عقل قبول کرتی ہے؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم کسی میں بھی اتنی جسارت کی جرئت نہیں ہے۔ مامون نے کہا: خدا کی قسم ایسا نہیں ہے کہ جو لوگ گمان کر رہے ہیں۔(۱)

جن لوگوں نے ولی عہدی کے مسئلے کو فضل بن سہل یا فوجیوں کی پیش کش مانا ہے، ان کا خیال ہے کہ وہ افراد اندرونی طور پر شیعہ تھے اور بنی عباس کی حکومت کو ختم کرنا چاہتے تھے لہذا اس اقدام کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لیے مفید سمجھتے تھے۔(۲) لیکن تاریخی اسناد میں تحقیق کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ شیعیت کی طرف مایل نہیں تھے بلکہ اگر یہ پیش کش ان ہی لوگوں کی جانب سے ہوئی ہے تو بھی اس بات کا کوئی اور سبب ہوگا۔

ایک روز فضل بن سہل اور ہشام بن عمرو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہار کیا کہ وہ آپ کی خلافت کے متمنی اور مامون کو برطرف کرنے حتی اس کو قتل کرنے پر بھی آمادہ ہیں

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۵۱۔

(۲) اس سلسلہ میں بطور نمونہ احمد امین کا نظریہ پیش کیا جا سکتا ہے: ضحیٰ الاسلام، ج۳، ص۲۵۹۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ان کو اپنے پاس سے نکال دیا وہ مامون کے پاس گئے اور کہا کہ ہم چاہتے تھے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو آزمائیں کہ کیا وہ حکومت کی طمع ولالچ رکھتے ہیں یا نہیں؟ (۱)

مامون نے ابتدائی اقدام میں کامیابی کے احساس کے بعد، یعنی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حکومت کی پیش کش اور حضرت کی جانب سے انکار، اس نے ارادہ کیا کہ اپنے پروگرام اور سیاسی نقشہ کو مزید جاری رکھے۔

مامون جیسا فرد کبھی بھی بحرانی حوادث پسند نہیں کرتا تھا اوران سے کے لیے ہر طرح کے حیلے اور سیاسی چالوں کو ترجیح دیتا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی جانب سے حکومت کو قبول نہ کرنے کی صورت میں مامون کو بہانہ ہاتھ آ گیا کہ وہ گذشتہ خلفاء کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے امام پر ظلم وتشدد کی روش کو جاری رکھے اور اپنا ہدف حاصل کرلے کہ اپنے سے قبل تمام خلفاء بنی امیہ و بنی عباس پر افتخار کرے اور شیعوں اور امام کے چاہنے والوں کو دباؤ میں رکھے۔ لیکن اس تدبیر کو ولی عہدی کا نقشہ اور بھی کامل کرسکتا تھا۔

اگر امام ولی عہدی قبول فرمالیتے ،تو مامون اپنے مقررہ ہدف سے زیادہ فائدہ ومنفعت حاصل کرلیتا، وہ یہ کہ مامون اپنی حکومت اور اقتدار پر باقی بھی رہتا اور سیاسی چال وحیلہ کے ذریعہ اپنے سیاسی، دینی وعلمی رقیب کو بہت آسانی کے ساتھ اپنے راستے سے ہٹا دیتا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ولی عہدی کے سلسلے میں جواب واضح تھا اس لیے کہ ظاہر ہے کہ جب آپ مکمل اقتدار مامون کے ہاتھوں سے لینے پر راضی نہیں تو کیوں کر ممکن تھا کہ ولی عہدی قبول کرلیتے ،حضرت امام علی رضا علیہ السلام مامون کی حکومت کو غصب وستم کارانہ سمجھتے ہیں۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۶۷۔

لہذاامام نے انکارفرمایااوراس سنگین بار سے اپنادامن محفوظ رکھامگر یہ انکار خلیفہ کو نا گوار گزرا۔

خلیفہ لوگوں پر ثابت کرنا چاہتا تھا کہ حضرت امام علی رضاعلیہ السلام بھی عام انسانوں کی طرح دنیا طلب اور حکومت کے دلدادہ ہیں اور حتی کہ ولی عہدی پر بھی راضی ہیں اور قدرت و اقتدار حاصل کرنے لیے بنی عباس کی حکومت کے زیر بار ہونے کو بھی تیار ہیں۔

مامون اپنی سیاست کے اعتبار سے چاہتا تھا کہ تمام علوی و فاطمی اور شیعوں پر ثابت کرے کہ ان کے عقیدے کے خلاف حضرت امام علی رضاعلیہ السلام ایک بزرگترین علوی وفاطمی ہونے کی حیثیت سے نہ یہ کہ خلیفہ کا مقابلہ نہیں کرتے بلکہ حاضر ہیں کہ ولی عہدی قبول کرکے مامون کی مدداوراس کے ساتھ تعاون کریں۔

مگراس مرحلہ پر مامون کی گفتگو کا انداز بدلا ہوا تھااورامام اس بات کواچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ مامون کا پختہ ارادہ ہے کہ امام ولی عہدی کوقبول فرمالیں لیکن واضح ہے کہ امام جو کہ اجتماعی وعلمی اعتبار سے ایک عظیم مقام پر فائز ہوں اور شیعہ مذہب کی رہبری کے حامل ہوں وہ کس طرح ولی عہدی کواپنے لیے جائز سمجھیں گے۔لیکن مامون زبردستی آپ کوولی عہدی دے کر جن کے حصول کے لیے تمام ڈرامہ رچایا ہے۔

ولی عہدی کی تحمیل سے مامون کے اہداف

مامون کی جانب سے ولی عہدی کوحضرت امام علی رضاعلیہ السلام پر زبردستی قبول کرانے پر اصرار خوداس بات کی دلیل ہے کہ مامون اس کے پیچھے کچھ خاص اہداف رکھتا تھا۔جن میں سے جو کچھ تاریخی گواہی اورقرائن سے ظاہر ہیں،اوران کا خلاصہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے:

الف -علوی اور عباسیوں کے درمیان دشمنی کوکم کرنا۔

ب -حکومت کے خلاف تحریکوں اورشورشوں پرقابو پانا۔

ج - حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی نگرانی اور آپ کی فعالیت کو محدود کرنا۔

د - حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے احترام وتقدس کو مجروح کرنا۔

ھ - خلافت کو شرعی حیثیت دینا۔

و - لوگوں کی حمایت حاصل کرنا۔

الف - علوی اور عباسیوں کے درمیان دشمنی کو کم کرنا

مامون کی جانب سے ولی عہدی کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سپرد کرنے کے اسباب وعلل میں سے ایک بعض لوگوں نے علوی اور عباسیوں کے درمیان دشمنی کو کم کرنا بھی بیان کی ہے،اس لیے کہ بنی امیہ کی حکومت ختم ہونے اور بنی عباس کے برسر اقتدار آنے کے بعد بنی عباس کے لیے تنہا خطرہ کہ جو ہمیشہ ان کے سر پر منڈلاتا رہتا تھا وہ علویوں کا وجود اور ان کی تحریکیں تھیں۔

مامون سے پہلے بنی عباس کے خلفاء خصوصا منصور وہارون نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ علویوں پر ظلم وستم کیے اور یہی ظلم وتشدد سبب بنا کہ ان دونوں خاندانوں کے دریان بغض وحسد اور دشمنی میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جب کہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے چچازاد بھائی شمار ہوتے تھے۔

مامون نے اپنی خصوصی تدبیر کے ساتھ یہ کوشش کی کہ اپنے اسلاف کی پیروی نہ کرے وہ کسی حد تک علویوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیا یہاں تک کہ بعض علوی افراد جیسے محمد بن جعفر اور زید بن موسی کہ جو زید النار کے نام سے معروف ہیں اور حکومت کے خلاف تحریکوں کی سرپرستی کرتے تھے،ان کے ساتھ بھی سختی نہیں کی بلکہ ان کو گرفتار کرنے کے بعد معاف کردیا۔

بہر حال اس نکتہ کو قبول کرنا- کہ مامون علوی اور عباسیوں کے درمیان دشمنی کو کم کرنا چاہتا تھا- زیادہ مشکل نہیں ہے لیکن قرائن اس بات پر گواہ ہیں کہ علوی اور عباسیوں کے درمیان دشمنی کو کم کرنے کی کوشش جس اخلاق اور محبت کی بناء پر نہیں تھی بلکہ ایک سیاسی اقتدار کے نفع کے لیے تھا ورنہ مامون علوی اعتقادات اور ان سے رشتہ داری کو قطعی طور پر خاطر میں نہیں لاتا تھا۔

اور جب بھی ان کو اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا قتل کرا دیتا تھا، ابوالفرج اصفہانی نے علوی خاندان کے دس نیک ومقدس اشخاص کے نام تحریر کیے ہیں کہ جو مامون کے زمانے میں اسی کے حکم سے قتل کیے گئے ہیں۔(۱)

مامون نے بغداد کے بنی عباس کے نام ایک خط ارسال کیا اور اس میں ان کو اطمینان دلایا کہ میرا مقصد علویوں کو حکومت دینا نہیں: میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بیعت کے ذریعہ تمہاری جان کو بچایا اور تمہارا دفاع کیا ہے اور آل علی کے احترام واکرام کو میں اس سے زیادہ نہیں سمجھتا اور اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ حکومت ان تک منتقل ہو جائے گی تو ایسا نہیں ہے میں تمہاری اور تمہاری نسل واولاد کی فکر کر رہا ہوں۔(۲)

ب - تحریکوں، غدر اور شورشوں کو خاموش کرنا

علی وفاطمہ علیہما السلام کی غیرت منداولاد، بنی امیہ کی حکومت سے لے کر بنی عباس کی حکومت تک اپنے اپنے زمانے کی حکومتوں کے خلاف سینہ سپر رہے اور یہ قیام بنی عباس کے دور میں اپنے عروج پر تھے۔ مامون کی حکومت کے لیے ان کا وجود سب سے بڑا خطرہ تھا کیوں کہ اس اس کا تخت مستحکم ہونے سے پہلے ہی امین کا مسئلہ گمبھیر صورت اختیار کر گیا، کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ شہروں میں بغاوت کے آثار، اضطراب اور نا امنی چھا گئی۔ اس مقابلہ میں اگر چہ خلیفہ نے اپنے سب سے بڑے رقیب کو قتل کر دیا لیکن زیادہ تر اس کے طرفدار کہ جو خاندان بنی عباس سے تھے اس سے دور ہو گئے تھے اور ان نامناسب حالات نے مخالفین کے لیے اور بھی زیادہ مواقع فراہم کر دیے تھے۔

---

(۱) مقاتل الطالبین، ص۵۱۳۔

(۲) طرائف المقال، ص۲۸۱۔

یہاں تک کہ اکثر علاقوں اور شہروں میں مامون کی حکومت کے سقوط کی افواہیں عام ہو چکی تھیں۔ شہر کوفہ میں ابوالسرایا نے اپنے قیام سے مامون کے لشکر کو بہت سخت ضربت لگائی تھی، تاریخ کے مطابق دس مہینوں کے اندر خلیفہ کے تقریبا دو لاکھ حمایتی اور فوجی قتل ہو چکے تھے۔(۱)

دوسری طرف، بصرہ میں علویوں کا قیام ایک مشکل بنا ہوا تھا ہر روز پریشان کرنے والی خبریں مامون کو موصول ہو رہی تھیں یہاں تک کہ اس سے کسی معاملے میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت مفلوج ہو رہی تھی۔(۲)

مکہ اور حجاز کے علاقے میں، محمد بن جعفر معروف بہ دیباج کے قیام کے نتیجہ میں وہ علاقہ ان کے قبضہ میں آ گیا اور یہ قیام ان کی بیعت پر ختم ہوا کہ جس میں آل ابی طالب کے زیادہ تر افراد شامل تھے۔(۳)

یمن کا علاقہ ابراہیم بن موسی بن جعفر کے ہاتھوں سقوط ہوا اور مامون کے گورنر اور دیگر عاملین نے فرار اختیار کیا، یہ علاقہ بھی کسی حد تک خلیفہ کے اختیار سے خارج ہو گیا تھا۔(۴)

مدینہ میں ابراہیم کے ساتھ محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام نے خروج کیا کہ جن کے ساتھ اکثر اہل حجاز واہل یثرب تھے اور کسی حد تک کامیابی حاصل کر لی۔(۵)

---

(۱) مقاتل الطالبین، ص۵۱۳۔

(۲) تاریخ ابن خلدون، ج ۳، ص۲۴۴۔

(۳) مقاتل الطالبین، ص۵۳۷۔ تاریخ بغداد، ج ۲، ص۱۱۴-۱۱۳۔

(۴) تاریخ طبری، ج ۷، ص۱۷۶۔ مروج الذھب، ج ۲، ص۴۳۹۔ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص۴۴۵۔ الکامل فی التاریخ ج ۶، ص۳۱۰۔ تاریخ ابن خلدون، ج ۳، ص۲۴۴۔

(۵) مقاتل الطالبین، ص۵۳۴۔

شہر واسط میں اگر چہ زیادہ تر لوگ بنی امیہ کے پیرو تھے وہاں پر علوی خاندان سے دو شخص جعفر بن محمد اور حسین بن ابراہیم نے قیام کیا اور پورے شہر پر قبضہ کرلیا۔(۱)

شام میں بھی اگر چہ زیادہ تر لوگ بنی امیہ اور بنی مروان کے حامی اور طرفدار تھے اور اولاد علی سے زیادہ تعلق نہیں رکھتے تھے لیکن بنی عباس کی حکومت کو گرانے کے لیے علویوں کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہوگئے۔(۲)

ایسے حالات میں حکومت چلانا بہت سخت و دشوار تھا لہذا مامون نے چاہا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ولی عہدی دے کر ان قیاموں کو کم کیا جائے اور حالات سے بھرپور فائدہ حاصل کیا جائے، اس لیے کہ ان تحریکوں کو روکنا ظاہری جنگ اور مقابلے سے ممکن نہیں تھا یا کم سے کم اچھا نتیجہ حاصل نہیں ہوتا اور آخر کار ممکن تھا کچھ عرصہ کے بعد معاملہ برعکس ہی ہو جاتا۔

ج - حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی نگرانی اور آپ کی فعالیت کو محدود کرنا۔

مذہب شیعہ کے آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے علم اور فضائل اخلاقی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت کی وجہ سے ہمیشہ اسلامی معاشرے میں قابل احترام، ممتاز اور موثر افراد میں شمار ہوتے تھے اور معاشرے پر ان کے اثر ہی کی وجہ تھی کہ ہر زمانے کا خلیفہ اپنے زمانے کے امام سے خوف زدہ اور پریشان رہتا تھا، مامون کی دوران حکومت بھی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا اثر معاشرے پر کافی تھا یہاں تک کہ حضرت سے دشمنی اور حسد رکھنے والے ابو یونس نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مامون کے دربار میں جب دیکھا تو کہا: ''هذا لذی بجنبك و الله صنم يعبد من دو ن الله''(۳)

---

(۱) مروج الذهب، ج۲،ص۴۴۰۔

(۲) مقاتل الطالبین، ص۵۳۴۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۶۱۔

یہ شخص (حضرت امام علی رضا علیہ السلام) جو تیرے پاس بیٹھا ہے، خدا کی قسم لوگوں میں بتوں کی طرح قابل پرستش و لائق احترام ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے والد گرامی ہی کے زمانے سے لوگوں کے درمیان قابل احترام اور قابل ستائش تھے اور آپ مدینے کی مسجد میں لوگوں کے درمیان تشریف فرما ہوتے اور شرعی احکام بیان فرماتے تھے۔(۱)

یہ موقعیت مامون کی حکومت کے لیے بہت بڑا خطرہ تھی اور پریشان کن تھی، یہی وجہ تھی کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے مدینے سے مرو تک کے جبری سفر میں حضرت کو لوگوں سے دور رکھا گیا اور قم اور کوفے جیسے شہروں سے عبور نہیں کرایا گیا۔

حضرت کے شہر مرو میں قیام کے دوران بھی بہت زیادہ نگرانی رہتی جیسا کہ سفر کے دوران تھی آپ کی ہر طرح کی فعالیت اور رفت و آمد پر پابندی عائد کی جا چکی تھی اور آپ کی اقامت گاہ کی مکمل رپورٹ ہشام بن ابراہیم جیسوں کے ذریعہ مامون کو دی جاتی تھی۔

مامون کا اپنی بیٹی کا حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے شادی کرنا اور مسلسل اصرار کے ساتھ کنیزوں کو بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ ان کے ذریعہ جاسوسی کرائی جائے اگر چہ یہ سب کچھ حضرت کی منظوری کے بغیر انجام پاتا۔ مامون نے اپنے ایک بیان میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے: اگر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ان کے حال پر آزاد چھوڑ دوں، تو اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں پریشانی کے اسباب فراہم نہ ہو جائیں کہ جن کا ازالہ نہ کیا جا سکے۔(۲)

---

(۱) تاریخ نیشاپور، ص ۲۰۶۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۷۰۔ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۱۸۳۔

د - حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے تقدس واحترام کو مجروح کرنے کی کوشش

حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام ہمیشہ معنوی عزت واحترام کے حامل رہے ہیں اور لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے رہے ہیں۔ لوگ بھی ان کو روحانی مرکز مانتے اور انتہائی احترام کرتے تھے۔

حاکموں کا احترام معمولا لوگوں کی نظر میں دکھاوا اور ظاہری ہوتا ہے، لیکن دینی رہبروں کا احترام دل کی گہرائی اور ارادت کے ساتھ ہوتا ہے۔

مامون حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے احترام وتقدس اور عظمت کو کم کرنے کی کوشش میں رہتا اور اپنی ولی عہدی کا ڈھونگ بھی اسی لیے رچایا گیا تھا اور ظاہر کرنا چاہتا تھا، کہ حضرت دنیا اور حکومت سے بیزار نہیں ہیں لیکن چونکہ حکومت کا موقع فراہم نہیں ہوا لہذا حکومت کی طرف نہیں بڑھے اور جیسے ہی ملا تو امام نے فورا قبول کرلیا۔(۱)

اس حقیقت کو خود مامون کے کلام سے عیاں ہے اس لیے کہ جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے حکومت لینے یا ولی عہدی سے انکار فرمایا، مامون نے حضرت سے کہا: آپ کا ولی عہدی کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں پر یہ تاثر قائم ہو اور آپ کے بارے میں کہیں کہ ''انك زاهد في الدنیا'' آپ زاہد ہیں اور دنیا کی طرف رغبت نہیں رکھتے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا: اصلا ایسا نہیں ہے کہ جو تم سوچ رہے ہو۔ میری دنیا سے بے رغبتی لوگوں میں محبوبیت پیدا کرنے اور دنیاوی منافع کے لیے نہیں ہے، لیکن میں جانتا ہوں کہ تیرا اس مسئلہ سے کیا مقصد ہے۔

مامون نے کہا: میرا کیا ہدف ہوسکتا ہے؟

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۴۰۔

حضرت نے فرمایا: ''ترید بذالك ان يقول الناس ان علی بن موسی الرضا لم یزهد فی الدنيا بل زهدت الدنيا فيه، الاترون كيف قبل ولاية العهد طمعا فی الخلافة''(۱)

تو چاہتا ہے کہ اس اقدام پر لوگ کہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام دنیا سے بے رغبت نہیں بلکہ دنیا آپ سے روگرداں ہے۔ کیا نہیں دیکھا کہ کس طرح خلافت کے لالچ اور طمع میں ولی عہدی کو قبول کرلیا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی عظمت اور شکوہ کو کم کرنے کے لیے مامون نے فقط اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جو طریقہ بھی اس سلسلے میں ممکن ہوتا وہ انجام دیتا، مناظرے بھی اسی لیے منعقد کیے جاتے تھے گو کہ وہ ایک علمی کارنامہ تھا لیکن اسی امید میں انجام پایا تھا کہ شاید حضرت امام علی رضا علیہ السلام کسی ایک مناظرے میں شکست کھا کر لاجواب ہو جائیں۔

مامون نے سلیمان مروزی سے کہا: میں تجھ کو اچھی طرح جانتا ہوں اور ترے مباحث و مناظرے سے خوب واقف ہوں، میں نے تجھ کو اس لیے دعوت دی ہے کہ کم سے کم ایک مرتبہ ہی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی دلیلوں کا توڑ کر کے ان کو لاجواب کردے۔ (۲)

اسی کو شیخ صدوق نے یوں لکھا ہے: ''جلب عليه المتكلمين من البلدان طمعا فی ان يقطعه واحد منهم فيسقط محله عند العلماء و يشتهر نقصه عند العوام''(۳) مامون نے علماء علم کلام کو مختلف شہروں سے جمع کیا تا کہ شاید کوئی حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر غالب آ جائے اور علماء کے نزدیک حضرت کا مقام و مرتبہ کم ہو جائے اور پھر لوگوں میں آپ کا کم علم ہونا مشہور ہو جائے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۴۰۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۷۹۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۳۹۔

ھ -خلافت کوشرعی قرار دینا۔

حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام نے کبھی کسی اموی یا عباسی خلیفہ سے اپنی رضایت کا اظہار نہیں فرمایا ہے اور کبھی ان کی موافقت اور ان کے نظریہ کو مثبت نگاہ سے نہیں دیکھا۔ یہ مسئلہ خلفاء کے لیے باعث مشکلات اور دشواری رہا کہ وہ خاندن رسالت کو اپنا ہم خیال نہیں بنا سکے۔

اب اگر مامون حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ولی عہدی قبول کرنے پر مجبور کرر ہا ہے اور حضرت اس کو قبول فرما لیتے ہیں تو درحقیقت ولی عہدی کو قبول کرنا گویا مامون کی خلافت کو شرعی حیثیت دینے کے مترادف ہوتا اور فقط مامون کی خلافت نہیں بلکہ اس سے پہلے کے خلفاء کو بھی شرعی حیثیت مل جاتی اور یہ مامون کی سب سے بڑی کامیابی حاصل ہوتی۔ اوراس کے علاوہ اس کے دوسرے کارنامے بھی میں شرعی حیثیت اختیار کر لیتے۔

مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے لیے بیعت لینے کے بعد اپنی ایک خصوصی نشست میں یہ کہا: "قد كان هذا الرجل مستترا عنا يدعوا الى نفسه ، فاردنا ان نجعله ولى عهدنا ليكون دعائه لنا، وليعترف بالملك و الخلافة لنا، وليعتقد فيه المفتونون به انه ليس مما ادعى فى قليل و لا كثير ، وان هذا الامر لنا من دونه"۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام خفیہ طور پر لوگوں کو اپنی امامت کی طرف دعوت دیتے! لہذا ہمارا ارادہ ہے کہ ان کو اپنا ولیعہد بنائیں تاکہ وہ لوگوں کو ہماری طرف دعوت دیں اور ہماری حکومت کو تسلیم کریں، اس صورت میں ان کے ماننے والے سب ہماری حکومت کو جائز سمجھ لیں گے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۷۰۔ بحار الانوار، ج۴۹،ص۱۸۳۔

و - لوگوں کی حمایت حاصل کرنا

کوئی بھی حکومت لوگوں کی حمایت کے بغیر دوام نہیں پا سکتی، اور ہر حاکم کو لوگوں کی حمایت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مامون چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح لوگوں میں اپنا مقام بنائے اور حکومت کے لیے دوام وثبات اور لوگوں کی پشت پناہی حاصل کرے۔ وہ شیعوں اور خصوصاً خراسانیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ خود بنی عباس بھی سب اس کے ساتھ متحد نہیں تھے۔ وہ عربوں میں بھی اعتماد کھو چکا تھا اور تاریخ سے واضح ہے کہ وہ بحرانی حالت میں حکومت کر رہا تھا کہ جس میں اس کو لوگوں کی حمایت اور پشت پناہی کی شدید ضرورت تھی کہ جس کے لیے حضرت کی نظر اپنی طرف ملتفت کرنے اور علویوں کو حکومت میں شریک کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا سیاسی طرز عمل اور نظریات

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی جانب سے ولی عہدی کے قبول کرنے کے بارے میں زیادہ آ گاہی سے پہلے، ضروری ہے کہ حضرت کے سیاسی طرز عمل وافکار کو پہچانیں۔

اس لیے کہ یہ پورے سیاسی منظر نامہ اور حضرت کے اقدام کے اسباب وعلل سمجھنے میں یہ ممد ومعاون ثابت ہوں گے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سیاسی نظریات وخیالات سے باخبر ہونے کے لیے حضرت کی روایات اور تعلیمات کا مطالعہ ضروری ہے، یہ کام اگر چہ ایک مفصل بیانات و توضیحات کا تقاضہ کرتا ہے لیکن یہاں پر صرف اجمالی بیان پر اکتفا کرتے ہیں۔

مذہب حقہ شیعہ ومکتب آئمہ طاہرین سے ناآشنا افراد ممکن ہے حضرات آئمہ طاہرین کے سیاسی نظریات کی تحلیل وتجزیہ میں طرح طرح کے خیالات وافکار سے روبرو ہوں اس لیے کہ لوگوں کی نظر میں، حضرت علی علیہ السلام کا مسئلہ امامت اور امت کی رہبری، حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام کی صلح، حضرت امام حسین علیہ السلام کے خونی قیام، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے سکوت اور دعاء ومناجات،

حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام کی علمی ترویج واشاعت اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ایک طولانی مدت تک قید میں رہنا اوران کے بعد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی سیاسی زندگی سب ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ رنگ کے حامل نظر آتے ہیں۔ حالانکہ حضرات آئمہ طاہرین کی منطق سے آشنا اور آپ کی سیاست کے فلسفہ سے واقف افراد کی نظر میں یہ تمام راستے ایک ہیں اور ذرا برابر فرق نہیں اور تمام روشوں اور سیاسی راہوں کا ظاہری اعتبار سے الگ الگ نظر آنا ان حضرات کی سیاسی نظریات میں اختلاف ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ زمانے کے حالات اور سماجی شرائط کی وجہ سے نظر آتے ہیں۔

روایات اور معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے واضح ہوجاتا ہے کہ ان تمام حضرات ایک ہی فکر اور نظریہ تھا اور سب کے اعتقادی، علمی، سیاسی اور اخلاقی اصول ومبانی ایک تھے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام ولایتعہدی کو انتخاب کرنے پر مجبور

اب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سامنے دو راستے ہیں یا تو مامون کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے اس کی ولی عہدی قبول فرمالیں یا اس کی پیش کش کی مخالفت کر کے علی الاعلان اس کے مقابلہ کے لیے تیار ہوجائیں۔

لیکن امام کس راستے کو اختیار کریں اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے چند نکات کی طرف توجہ ضروری ہے:

۱- اس زمانے میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور آپ کے شیعوں اور علویوں کی اجتماعی و سیاسی حیثیت۔

۲- ولی عہدی کے قبول یا رد کرنے میں اس کے نتائج اور ردعمل۔

۳- حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے جو فیصلہ کیا وہ عام بشری حیثیت سے تھا یا پھر الٰہی نمائندے ہونے کی بناء پر آپ بہت بلند سطح پر بلکہ فوق بشر راہ متعین کر رہے تھے۔

مذکورہ بالا تینوں نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ حضرت کے پاس راہ حل مسئلہ کیا تھی۔

ہم تیسرے نکتے سے اپنی بات کا آغاز کرتے ہیں کیا حضرت امام علی رضا علیہ السلام مسئلہ ولی عہدی اوران مسائل میں کہ جو عام مسلمانوں کی امامت وحکومت سے مربوط ہیں کس بنیاد پر فیصلہ کریں اس سلسلے میں دونظریے پائے جاتے ہیں:

اہل سنت کے نظریہ کے مطابق امام کا انتخاب

اہل سنت اور دیگر وہ افراد کہ جو امامت وولایت کو عوامی امور میں شمار کرتے ہیں اور امام کے لیے کسی خصوصیت و امتیاز کے قائل نہیں ہیں، اس مسئلہ کو دیکھیں، حضرت امام علی رضا علیہ السلام دوسرے آئمہ کی طرح ایک عظیم عالم، عارف وزاہد اور متقی تھے اور دینی مسائل کی شناخت ومعرفت اور اپنے سیاسی و اجتماعی معاملات میں اپنے علم و تجربہ اور اپنی آگاہی پر انحصار فرماتے تھے اور اسی بنیاد پر ہر آنے والی ضرورت وشرائط میں نقائص سے محفوظ نہیں تھے اور مقام عصمت کے حامل نہیں تھے۔

اگر اس عقیدے کے تحت مذکورہ موضوع کو دیکھا جائے اور یہ طے کرنا ہو کہ امام کو ولی عہدی قبول کرنا چاہیے تھی یا نہیں تو تمام ظاہر حالات وعوامل کو پیش نظر رکھنا ہوگا مگر مشکل یہ درپیش ہے تاریخ نگاروں نے مفصل حالات تحریر نہیں کیے اور ہم مسئلہ کی جزئیات کی معلومات نہیں رکھتے کہ درست کسی نتیجہ پر پہنچ سکیں۔علاوہ ازایں جو مواد موجود ہے اس کے معتبر ہونے کے بارے میں بھی یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی پیش نظر ہے کہ کوئی بھی انسان اپنی سوچ اور تحریر یا بیان میں اپنے سیاسی عقیدتی اور سماجی افکار سے قطعی طور پر دست بردار ہوکر کوئی بات نہیں کہہ سکتا اور ایسی توقع کرنا غیر فطری ہے یعنی اگر کوئی اس طرح کے مسائل کے بارے میں اظہار نظر کرنا چاہے اور کہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا اس زمانے کے حالات وشرائط کے پیش نظر فریضہ تھا کہ ولی عہدی کو قبول فرمائیں یا رد کردیں۔

تو اس اظہار نظر میں وہ فطری تقاضہ کے تحت اپنے عقائد و مذہبی نظریے اور سیاسی و اجتماعی افکار کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

مثال کے طور پر اگر کوئی فیصلہ کرنے والا سیاسی نظریے اور اس دور کے ظلم وستم کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ رائے قائم کرے کہ سکوت سے بہتر مقابلہ مرگ وشہادت ہے تو واضح ہے کہ اس عقیدے کی بنیاد پر ولی عہدی کے قبول کرنے کو نامناسب قرار دے گا اور اوراس کا رد کرنا امام پر واجب جانے گا، خواہ نتیجہ کتنا ہی ناگوار ہو! اس طرح کے شخص کی نظر میں اصولاً مصلحت، تقیہ وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور اگر فیصلہ کرنے والا مصلحت بین ہو اور اپنے اعتقاد کی وجہ سے ظلم وستم کو برداشت کرنا، ایمان وعدالت کی راہ میں قید وزندان میں جانے کو بھی اہمیت دیتا ہو، تو اس کی نظر میں صلح اور خاموشی نہ ہر حال میں اچھا ہے اور نہ برا ہے بلکہ ہر چیز کو اس کے زمانے کے لحاظ سے دیکھا جائے گا کہ اس دور کے شرائط ومعیار اور ضرورت کس چیز کی متقاضی ہے، اس عقیدے کے تحت ولی عہدی کو قبول کرنا یا رد کرنا مصلحتوں کی بنیاد پر یہ طے کرتے ہوئے ہوگا کہ کون سا طریقہ موقع ومحل کے لحاظ سے مناسب ہے۔

مذہب امامیہ کی نظر میں انتخاب امام

مذہب شیعہ کے عقیدے کے تحت امام کا انتخاب اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کے معیار مختلف ہیں، اس لیے کہ مذہب شیعہ کے عقیدے کے لحاظ سے آئمہ طاہرین کا کسی ایسے مسئلے میں فیصلہ کرنا کہ جو عامۃ المسلمین اور امت اسلامی اور مسائل دینی سے مربوط ہو، وہ ان کا اپنا ذاتی فیصلہ اور بشری تقاضے کے تحت سے نہیں ہے، بلکہ اس طرح کے امور میں وہ حضرات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے تابع ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت وعمل وحی الٰہی کے مطابق ہوتی ہیں، دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنی سیاسی زندگی میں راستے کو انتخاب کرنے میں ایسی تکلیف کے تابع ہیں کہ جو مافوق بشر منابع سے مربوط ہے۔

البتہ مافوق بشر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کا علم وعقل اور منطق سے جدا اور علیحدہ عمل ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان راستہ کا ملا صحیح ،منطقی اور علمی ہے اور اس میں امکان خطاء اور نقص نہیں پایا جاتا ،اس طرح کہ اگر انسان کے لیے اس راہ کے تمام عوامل و اسباب بیان کیے جائیں تو یقیناً عقل انسانی اس کو آسانی کے ساتھ درک کرلے گی اور اگر کوئی عقل اس طرح کے عوامل اور اسباب کو درک کرنے سے اجتناب کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان عوامل و اسباب سے آگاہ نہیں ہے۔

مذہب شیعہ امامیہ کی نظر میں ،امام چاہے صلح کرے یا قیام، چاہے تقیہ اختیار کرے یا ظلم وستم برداشت کرتے ہوئے زندان میں زندگی بسر کرے، ولی عہدی قبول کریں یا ردکرنے کی صورت میں موت کی دھمکی سہنی پڑے، ہر حال میں اپنے دینی ،الہی اور عقلی وظیفہ پر عمل پیرا ہے وہ فرض کہ جو دینی ہونے کے ساتھ ساتھ عقلی بھی ہے اور ایسے معیار پر مبنی ہے کہ جو اہل دیانت قبول کرتے ہیں۔

سیاسی قیادت کا دینی رہبری سے مربوط ہونا

مذہب اہل بیت میں اعتقادی اور سیاسی اصولوں میں سے ایک مشترک اصول یہ ہے کہ سیاسی قیادت ،دینی رہبری سے مربوط ہوتی ہے اہل بیت علیہم السلام نے ایک طرف اپنے آپ کو دین کا سب سے بڑا ذمہ دار اور اعلم کے طور پر پہچنوایا ہے اور اسی حوالے سے ہمیشہ لوگوں کو دعوت دیتے رہے ہیں۔(۱)

اہل بیت علیہم السلام اسلامی معاشرے کی سیاسی ،اجتماعی اور دینی قیادت و رہبری کے جائز حقدار تھے اس لیے کہ وہ علم و دین اور معاشرے کے معاملات اور تقاضے سمجھتے ہوئے عدل وانصاف کا قیام کرنے والے ہیں۔

---

(۱)اس طرح کے کلمات حضرت علی علیہ السلام کی زبانی سرزد ہوئے "سلونی قبل ان تفقدونی "مجھ سے معلوم کرلو اس سے پہلے کہ مجھے کھو بیٹھو۔

اس نظریہ اور اصول کو ہم حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تحریر کہ جو "جوامع الشریعہ" کے نام سے معروف ہے اس طرح دیکھتے ہیں: "هذا عترة الرسول ، واعلمهم بالكتاب والسنة واعدلهم بالقضى و الاهم بالامامة فى كل عصر و زمان ، وانهم العروة الوثقى وآئمة الالهدى--- (۱) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت طیبہ، قرآن وسنت کے متعلق مسائل کی قضاوت میں تمام لوگوں سے زیادہ آگاہ اور ہر زمانے میں عادل اور امامت کے لیے سب سے زیادہ شائستہ ولائق ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے قول کے مطابق امام واقعی صرف احکام شرعی اور حلال وحرام کو بیان کرنے کی حدتک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ منصب امامت اسلامی معاشرے کی سیاسی و اجتماعی غرض کہ تمام شعبوں میں پیشوا اور نگران ہے: "ان الامام زمام الدين، ونظام المسلمين، صلاح الدنيا، وعز المومنين، الامام اساس الاسلام النامى ،فرعه السامى-بالامام تمام الصلوة و الزكاة والصوم والحج والجهاد، وتوفير الفئى والصدقات، وامضاء الحدود والاحكام، ومنع الثغور والاطراف (۲) امام، دینی سرپرست اور مسلمانوں کے نظام کا ذمہ دار اور مومنین کے لیے عزت وصلاح دنیا کا باعث ہے۔ امام اسلام کی ترویج، تبلیغ، اشاعت اور سربلندی کے لیے منارہ عظمت ہے۔

امام، نماز، زکاۃ، روزہ، حج وجہاد کو تمام وکمال شرائط کے ساتھ روبہ عمل لانے والا، مال غنیمت، صدقات کو صحیح تقسیم کرنے والا، باعث برکت اور احکام الٰہی وحدود شرعی کو جاری کرنے والا، اسلامی سرحدوں کی حفاظت اور ان کو مستحکم کرنے والا ہے۔

---

(۱) تحف العقول، ص ۴۸۷۔

(۲) تحف العقول، ص ۵۱۵۔

اسی روایت میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے صراحتا فرمایا ہے:--- ا یظنون انه یوجد ذالك فی غیر آل رسول الله صلی الله علیه وآله وعلیهم---نامی العلم، کامل الحلم، مضطلع بالامر، عالم بالسیاسة، مستحق للریاسة، مفترض الطاعة، قائم بامر الله، ناصح لعباد الله۔ "(۱) کیا لوگوں کا خیال ہے کہ یہ خصوصیات آل رسول کے علاوہ کہیں اور پائی جاسکتی ہیں! وہ عترت وخاندان کہ جن سے علم کی نمو ہے ان کا حلم کامل ہے، تمام امور پر علمی وعملی طور پر مسلط ہیں، وہ سیاست سے آگاہ اور ریاست وقیادت کے لیے شائستہ ترین افراد ہیں ان کی اطاعت واجب ہے وہ امر الٰہی کو قائم کرتے اور بندگان خدا کے خیر خواہ ہیں۔

دین کا کمال، دینی رہبری کا مستلزم ہے

اہل بیت علیہم السلام کی نظر میں، دین اس وقت کامل ہے کہ جب اجتماعی قیادت کے سلسلے میں اہل دیانت کی تدبیر وغور وفکر ہو اور دین وسیاست کے معاملات میں لوگوں کو ان کے حال پر نہ چھوڑ دیا گیا ہو۔

یہ اصول ایک لحاظ سے فقط کلامی اور اعتقادی بحث سے مربوط ہے، لیکن دوسرے رخ سے ایک سیاسی بحث بھی ہے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اس سلسلے میں فرماتے ہیں: "وامر الامامة من کمال الدین، ولم یمض صلی الله علیه وآله حتی بین لامته معالم دینه، واضح لهم سبیلهم، وترکهم علی قصد الحق و اقام لهم علیا علما و اماما "(۲) اصل امامت اور تعین امام کمال دین کا لازمہ ہے اور حضرت رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت نہیں ہوئے مگر یہ کہ مسلمانوں کے لیے دین کے تمام اہم مسائل بیان فرما گئے اور اصلی وصحیح راستہ کو دکھا گئے، راہ حق کے انتخاب کو ان پر چھوڑ گئے اور حضرت علی علیہ السلام کو پوری صراحت و وضاحت سے اپنا جانشین اور امام یعنی پیشوا و رہبر متعین فرما گئے۔

---

(۱) تحف العقول، ص۵۱۸-۵۱۷۔ (۲) تحف العقول، ص۵۱۴۔

اس روایت کی بنیاد پر، حضرت امام علی رضا علیہ السلام امامت وقیادت کے موضوع کو کمال دین کی شرط کے طور پر جانتے ہیں، حضرات آئمہ طاہرین کی امامت انتصابی ہے اور لوگوں کے انتخاب کرنے پر موقوف نہیں۔ آپ فرماتے ہیں: "لوگ حق کو ماننے اور قبول کرنے میں مجبور نہیں ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر انہوں نے حق سے انحراف کیا تو گناہگار نہیں ہیں بلکہ دوسرے بیان میں واضح طور پر فرماتے ہیں: "ان کل من خالفهم ضال مضل ، تارك للحق و الهدی"(۱) جو شخص بھی آل رسول کی مخالفت کرے وہ گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے اور اس نے حق وہدایت کو چھوڑ دیا ہے۔

غیر دینی قیادت کا انکار اور ظلم وستم کا تسلط

منکرین حق اور ظلم وستم سے مقابلہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی کا ایک خصوصی طرہ امتیاز رہا ہے، اور ان میں سے کوئی ایک بھی اس سلسلے میں پیچھے نہیں ہٹا، جب کہ وہ حضرات کہ جو مذہب اہل بیت علیہم السلام سے دور ہو گئے انہوں نے "اطاعت اولی الامر " سے خلفاء اور حاکمان وقت کی اطاعت کو مراد لیا ہے، اور اس کو واجب مانتے ہیں۔ آئمہ طاہرین نے قرآن، حدیث اور عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ دینی وایمانی معاشرے کے امام کو ظالم ومفسد حاکموں کے تحت نہیں ہونا چاہیے، اور جب کبھی کوئی ظالم وفاسد حاکم، مومنوں پر مسلط ہو جائے اس کی اطاعت واجب نہیں ہے، بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس کے ظلم وستم اور فساد کا مقابلہ کیا جائے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اسی سلسلے میں ہمیشہ اپنے آباء واجداد کی تعلیمات کے پیش نظر فرماتے ہیں: "و لا يفرض الله على العباد طاعة من يعلم انه يظلمهم و يغويهم"۔(۲)

---

(۱) تحف العقول، ص۴۸۸۔

(۲) تحف العقول، ص۴۹۴۔

خداوندعالم نے اپنے بندوں پر ایسے شخص کی اطاعت فرض نہیں کی ہے کہ جو ظالم اور گمراہ کرنے والا ہو۔

حضرت دوسری روایت میں اس آیت "لاینال عھدی الظالمین "(۱) کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں: "فابطلت ھذہ الآیة ، امام کل ظالم الی یوم القیامة"(۲) اس آیت نے قیامت تک ہر ظالم وستمکار کی امامت کو باطل کردیا ہے۔

ظالم، ستمگار اور متکبر افراد سے مقابلہ

حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی میں اسلامی حکومت کے غاصبوں، ظالم وستمگاروں اور مغرور ومتکبروں سے دوطرح کا مقابلہ دیکھنے میں آیا ہے۔

الف - اعتقادی اور ثقافتی مقابلہ۔ ب - میدان جنگ کا مقابلہ۔

ثقافتی مقابلہ، آئمہ طاہرین کا ایک عام سلسلہ رہا ہے، یعنی وہ سب اپنے عمل اور گفتگو میں اپنے ماننے والوں کے لیے یہ واضح کرتے رہے کہ نااہل اور نالایق حاکموں کے ساتھ تعاون نہ کریں اور ان کی ظالمانہ حکومت پر راضی نہ ہوں۔

میدان جنگ کا مقابلہ حضرت امیرالمومنین، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام نے کیا، کہ جن میں سے حضرت امام حسن علیہ السلام کا قیام آپ کے لشکر اور خصوصا سرداروں اور فرمانداروں کی خیانت کی وجہ سے ادھورا رہ گیا اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی جنگیں بھی لوگوں کے ایمان میں سستی کی وجہ سے اپنے حقیقی مقصد کو حاصل نہ کرسکیں۔ آپ کی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی معاویہ اسی طرح مسند حکمرانی پر براجمان رہا۔

---

(۱) بقرہ/۱۲۴۔

(۲) تحف العقول، ص۴۹۴۔

اورحضرت امام حسین علیہ السلام کا قیام آپ اورآپ کے اصحاب کی شہادت پرانجام پذیرہوا۔

جب بھی باطل سے میدان میں مقابلہ ہوا اس میں نتیجہ تلخ حاصل ہوا مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ مسلحانہ ٹکراؤ درست نہیں تھے، قطعی غلط ہے بلکہ مذہب امامیہ کے عقیدے کے مطابق یہ یقینی ہے کہ اگر یہ قیام وجود میں نہ آتے تو پھر اسلام میں قیامت تک کوئی بھی اسلامی معاشرے کی اصلاح اور قیام عدالت کے لیے دردمند مصلح قیام نہ کرتا اور خود کو کسی بھی خطرے کو مول لینے کے لیے آمادہ نہ کرتا۔

یہ بات افسوس ناک ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کے افکار وتعلیمات سمجھنے میں افراط وتفریط سے کام لیا گیا ہے، بعض افراد نے فقط امر بالمعروف اورنہی عن المنکر کو تعلیم وتربیت کا معیار سمجھا اور بعض نے صرف جنگ ومسلحانہ قیام کو ہدف امامت قرار دیا۔

جب کہ حسب موقع ومحل دونوں ہی طریقے آئمہ طاہرین علیہم السلام کی سیرت میں ملتے ہیں، حالات کے مدنظر اور امکانات واقتضائے زمان کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اقدام فرماتے رہے ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اجتماعی امور میں غاصب عباسی خلفاء کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے اس بارے میں ایک راوی بنام حسن انباری تحریر کرتے ہیں: میں مسلسل چودہ سال تک امام سے خطوط لکھ کر اجازت طلب کرتا رہا کہ حکومتی منصب قبول کرلوں لیکن حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہمیشہ مجھ کو ظالم عباسی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے سے منع فرماتے رہے۔(۱)

ابوسعید خرسانی، ایک اورراوی، کہتے ہیں:"دخل رجلان علی ابن الحسن الرضا بخراسان فسالاه عن التقصير ، فقال لاحدهما: وجب عليك التقصير، لانك قصدتنى وقال لآخر : وجب عليك التمام، لانك قصدت السلطان---"(۲)

----

(۱) فروع کافی، ج۵،ص۱۱۱۔

(۲) الاستبصار، ج۱،ص۲۳۵۔تہذیب الاحکام، ج۴،ص۲۲۰۔

دو شخص خراسان میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا: کہ ہم دونوں مسافر ہیں ہماری نماز کا قصر وتمام کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت نے ایک شخص سے فرمایا: تم اپنی نماز کو قصر ادا کرو اس لیے تم نے میری ملاقات کے لیے سفر اختیار کیا ہے لیکن دوسرے شخص سے فرمایا: اپنی نمازوں کو کامل ادا کرو اس لیے کہ تم نے حاکم وقت سے ملاقات کے لیے سفر کیا ہے، چونکہ ایسا سفر حرام ومعصیت ہے لہذا تمہاری نماز قصر نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام حتی اس زمانے میں بھی کہ جب خراسان میں مامون کے زیر نظر زندگی بسر کر رہے تھے جب بھی مناسب موقع ملتا اور ضروری سمجھتے تو غاصب حاکم کے چہرے کو بے نقاب کرتے رہتے تھے۔

اس طرح کے اقدامات کو صرف ایک دینی تعلیم تک محدود نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ ایک عملی اقدام ہے کہ جو بنی عباس کی حکومت کے خلاف ہونے والے قیاموں اور تحریکوں کی تائید اور حمایت کرتا ہے۔ بے شک جس وقت اپنے قابل اعتماد شیعہ کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام سمجھاتے کہ ان کی خاموشی اور خراسان میں قیام مصلحت اور مجبوری کے تحت ہے تو جب وہ اپنے وطن پلٹتے اور امام کے محصور ہونے پر رنج وغم کا اظہار کرتے، ساتھ ساتھ شیعوں اور علویوں کی مالی مدد کرتے اور دوسروں کو بھی معاملات سے آگاہ کرتے تھے۔

اعتقادی اصلاح

حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کا حاکمان وقت کے ساتھ سیاسی اقدام، علنی مقابلہ اور ٹکراؤ اصلی ہدف نہیں تھا، بلکہ آپ کا مقصد دین الہی کا نفاذ، معاشرے کی اصلاح واسلامی افکار کا احیاء تھا۔ واضح ہے کہ وہ حضرات عقائد وافکار کی اصلاح اور ہدایت کو ہر تحریک پر مقدم جانتے تھے۔ اہل بیت علیہم السلام کی نظر میں صرف وہ جہاد اہم اور مقدس ہے کہ اس کا پرچم حق وعدل کی رہبری وقیادت میں ہو۔ جیسا حضرت امام نے جامع احکام شریعت میں جہاد کی اہمیت کی وضاحت فرماتے ہوئے، تاکید کی:

"الجهاد مع امام عادل"۔(۱) جہاد عادل امام کے پرچم تلے ہونا چاہیے۔

پس لازم ہے کہ جب بھی کوئی اہل حق ظلم و جبر کے خلاف جہاد کا پرچم بلند کرے تو پہلے حق کو پہچانے اور امام عادل کی معرفت رکھتا ہو، یعنی ہر عمل سے پہلے صحیح فکر وعقیدہ کا حامل ہو۔

اگر آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی میں شاگردوں کی تدریس وتربیت اور خصوصی علمی محافل کا انعقاد، سیاسی اقدامات سے زیادہ نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ کسی بھی مثبت یا منفی اقدام کی بنیاد کسی نہ کسی اعتقاد ونظریہ پر ہوتی ہے لہذا کسی عمل سے پہلے لوگوں کے فکر وعقیدے کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا شہر نیشاپور سے رخصت ہوتے وقت نیشاپور کے جم غفیر میں حدیث سلسلۃ الذھب بیان کرنا کوئی معمولی اقدام نہیں تھا۔

جس وقت امام نے فرمایا: کلمہ لا الہ الا اللہ خداوند عالم کا مضبوط قلعہ ہے لیکن ہماری ولایت اس کی شرائط میں سے ہے اور میں کلمہ توحید کی شرط ہوں۔ یہ مختصر سا کلمہ تفسیر وتشریح طلب ہے کہ جس نے اہل درایت عرصہ تک تفکر وتامل اور بحث ومباحثہ میں ڈال دیا اور ولایت کے اعلی مرتبہ ومقام کو سمجھنے کی کوشش کی کہ جس کا تحمل مامون کے لیے ناممکن تھا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کمترین فرصت سے بہترین استفادہ فرمایا اور ایک انتہائی مختصر سا جملہ ان لوگوں کے عقیدہ وافکار کی گہرائی میں اتار دیا کہ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کی زبانی آنحضرت کی حدیث سننے کے لیے بیتاب تھے اور اس زمانے کے چھوٹے سے شہر نیشاپور میں مذہب حق کا بیج کاشت کر دیا۔

---

(۱) تحف العقول، ص۴۹۱۔

وہ حضرات کہ جو روایت کو درک کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، سمجھ لیتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نہ فقط یہ کہ مامون کی حاکمیت کے قائل نہیں بلکہ اس کو غاصب اور مفسد جانتے ہیں، اس لیے کہ اس نے توحید کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو خراسان میں جبرا بلوا کر کے آپ پر ظلم وستم کیا ہے۔

مشکل ترین انتخاب

حضرت امام علی رضا علیہ السلام عالم آل محمد جیسے عالی ترین حامل علم ہونے کے باوجود زندگی کے سخت ترین مرحلہ کے روبرو ہیں، اپنے علم وحلم وہیبت وسطوت کے باوجود اپنے اور اپنے خاندان اور شیعوں کے لیے ولی عہدی قبول کرنے کو معمولی بات نہیں سمجھتے ۔ اگر آپ قبول نہ فرمائیں تو کیا ہوگا؟ کیا آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیں گے؟ یا آپ سے اعلانیہ دشمنی وظلم کریں گے؟ ۔ بنی عباس نے مامون سے پہلے جس راہ کا انتخاب کیا تھا اور حضرت کے بعد بھی وہی جبر واستبداد اپنائے رکھا لیکن اب حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو طے کرنا ہے کہ کونسا راستہ اختیار کریں۔

حضرت علی علیہ السلام کے خاندان پاک اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی سے آشنا حضرات اوران کے شوق اور شہادت و پروردگار سے ملاقات کے مشتاق ہونے سے واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کا کوئی اقدام اپنی جان کی حفاظت کے خیال سے نہیں ہوتا اور اگر کسی مقام پر سکوت یا صلح پسندانہ راہ اختیار کی تب بھی عام مسلمانوں، اسلام اور شیعوں کی مصلحت مدنظر رہی ہے۔

اہل بیت رسول علیہم السلام کے لیے ابوسفیان کے بیٹے سے صلح کرنا اور مامون کی ولی عہدی کو قبول کرنا، شہادت اور طولانی زندان کی تکلیف سے کہیں زیادہ سخت ہے، لیکن حضرت امام علی رضا علیہ السلام منشاء ومشیت الٰہی کے مطابق ولی عہدی کا ناگوار وتلخ گھونٹ نوش فرمائیں جب کہ آپ کو علم ہے کہ بہت جلدی شہید کر دیئے جائیں گے اور مامون سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

مختلف نظریات کے اعتبار سے ولی عہدی کا مسئلہ

مذکورہ مطالب سے معلوم ہوگیا ہے کہ ولی عہدی قبول کرنا راضی و رغبت کی بنا پرنہیں تھا بلکہ فقط مسلمانوں اور شیعوں وعلویوں کی مصلحت کی وجہ سے تھا۔اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہمیشہ اس سازش کے خلاف احتجاج فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اپنی مناجات تک میں اس اہم مسئلہ کی جانب اشارہ کرکے عمومی ذہنوں کومتوجہ فرمایا۔آپ کی ایک دعا کا جملہ ہے: "اللھم انك تعلم انی مکرہ مضطر فلا تواخذنی کما لم تواخذ عبدك و نبیك یوسف حین وقع الی ولای مصر "۔(۱) خداوندا! تو جانتا ہے کہ میں ولی عہدی کوقبول کرنے میں مجبور تھا پس مجھ سے مواخذہ نہ فرما جیسا کہ تو نے اپنے بندے اور نبی یوسف سے مواخذہ نہیں فرمایا کہ جب ان کومصر کی ولایت سپرد کی گئی۔

اس بات کا اظہار واحتجاج فقط دعا ومناجات تک محدود نہ تھا بلکہ آپ مختلف مواقع پر اپنے موقف کو بیان فرماتے رہتے تھے۔

ایک شیعہ جوامام کے بلند وبالا مقام کے لیے ولی عہدی کومناسب نہیں سمجھتا تھا،اس نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے معلوم کیا: کہ آپ نے ولی عہدی کو کیوں قبول فرمایا؟ امام نے فرمایا:تمہاری نظر میں مقام رسالت بلند ہے یا مقام امامت؟ اس نے جواب دیا م: مقام رسالت بالاتر ہے۔امام نے فرمایا: کیا وہ شخص زیادہ برا ہے کہ جوظاہراً اعلان کفروشرک کرے یا وہ کہ جوظاہراً مسلمان ہواور دینداری کا اظہار کرتا ہو؟ اس شخص نے کہا: وہ شخص کہ جو کافر ومشرک ہوز یادہ برا ہے۔امام نے فرمایا: یوسف خدا کے نبی تھے اور مصر کے حاکم کی جانب سے کہ جو کافر ومشرک تھا آپ نے عزیز مصر بننا قبول فرمایا۔

---

(۱) امالی صدوق،ص ۶۵۹۔روضۃ الواعظین،ص ۲۲۹۔مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳،ص ۴۷۳۔بحارالانوار، ج ۴۹، ص ۱۳۰۔مسندالامام الرضا، ج ۱،ص ۴۹۔

پس اگر میں نے مامون کی جانب سے ولی عہدی کو قبول کرلیا تو کوئی معقول وجہ ضرور ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے اس ولی عہدی کو مجبوراً قبول کیا ہے۔(۱)

محمد بن عرفہ نامی شخص کہتا ہے: میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے معلوم کیا: آپ نے ولی عہدی کو کیوں قبول فرمایا؟ امام نے فرمایا: اسی طرح جیسے کہ میرے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علیہ السلام دوسرے خلیفہ کی بنائی ہوئی شوری میں شامل کیے گئے میرے لیے بھی سبب بنا کہ میں ولی عہدی کو قبول کرلوں۔(۲) یعنی جیسے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام شوری میں شامل کیے گئے اسی طرح میں بھی ولی عہدی کو قبول کرنے پر مجبور تھا۔

علامہ مجلسی اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے مقصد کو بیان فرماتے ہیں اور تحریر کرتے ہیں کہ:--- ای لئلا يئاس الناس من خلافتنا ، و يعلمون باقرار المخالف ان لنـا فى هذا الامر نصيبا۔ اس لیے کہ لوگ ہماری خلافت سے مایوس نہ ہوجائیں اور ہمارے مخالف بھی اقرار کریں کہ خلافت وحکومت ہمارا حق ہے۔ اوراس کے بعد تحریر کرتے ہیں: يحتمل ان يكون التشبيه فى اصل الاشتمال على المصالح الخفيه ۔(۳) ممکن ہے کہ یہ تشبیہ کچھ مخفی مصلحتوں پر مشتمل ہو کہ جس سے ہم بے خبر ہیں۔

علم الہدی سید مرتضی ولی عہدی کو قبول کرنے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: اگر کوئی مجھ سے سوال کرے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ولی عہدی کو کیوں قبول فرمالیا جب کہ یہ امامت کے مقام کے شایان شان نہیں تھا اور کوئی دینی ذمہ داری کا سبب بھی نہیں تھا تو میں کہوں گا:

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۳۹۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۴۰۔ بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۴۰۔

(۳) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۴۰۔ بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۴۰۔

جس طرح حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے شوری میں شامل ہونے کے اسباب بنے کہ جس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں، یہ حضرت کا حق تھا اور احقاق حق کرنے کی خاطر آپ پر شورا میں شرکت کرنا لازم تھا، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے لیے بھی وہی بات کہیں گے کہ چونکہ آپ کا حق ضائع ہو رہا تھا لہذا ولی عہدی کو قبول کرنا گویا اپنے شرعی و مسلم حق پر دلیل قائم کرنا اور احقاق حق کی وجہ سے ضروری و لازم تھا۔

سید مرتضی مزید اضافہ کرتے ہیں: حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حجت خدا ہونے کو قبول کرنے کے بعد کسی بھی طرح آپ کی طرف نامناسب نسبت دینا آپ کے تقدس اور احترام کے خلاف ہے۔(۱)

دوسرے اہل علم حضرات نے بھی اس سلسلے میں کہا ہے: حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا مامون کی ولی عہدی کو قبول کرنے کا سبب وہی چیز تھی کہ جو بعض انبیاء و رسولوں کے ساتھ تھی کہ وہ اپنے اپنے زمانے میں بادشاہوں اور سلاطین کے ہم عصر ہونے کے ساتھ ایک اہم شخص تھے اور ایسا ہی معاملہ حضرت امام حسن علیہ السلام معاویہ کے ساتھ صلح کا بھی ہے۔ اس لیے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام بعض مواقع پر اموی وعباسی خلفاء کے ساتھ کچھ خاص دینی ضرورت کی وجہ سے مصلحتاً اور یا مجبوراً مروت و مداوا سے کام لیتے تھے۔ اور اس کے علاوہ یہ بھی کہ اگر حکومت کسی کا حق ہو اور دوسرے لوگ غصب کر لیں اور پھر کچھ حصہ اس کو لوٹا ئیں تو اس صاحب حق کے لیے اسی حصہ کو لے لینا جائز ہے۔

اگرچہ سید مرتضی کا بیان اپنی جگہ صحیح و معقول ہے لیکن پھر بھی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے عمل کا اثبات، اضطرار و مجبوری کی بناء پر زیادہ مناسب ہے۔

---

(۱) تنزیہ الانبیاء، ص ۱۷۹۔

ولی عہدی کا رسمی اعلان وجشن

ولی عہدی کا جو ڈھونگ رچا جا رہا تھا اس کے لیے با قائدہ ایک رسمی اعلان اور جشن ضروری تھا کہ اس سیاسی اقدام کی تمام لوگوں کو اطلاع ہو اور بیعت کے مراسم انجام دیئے جائیں۔

مامون کا معتمد خاص فضل بن سہل ایک سیاستمدار اور بانفوذ شخص تھا اس کو خلیفہ کی جانب سے حکم دیا گیا کہ اس کام کے لیے ایک خصوصی جشن برگزار کیا جائے۔

اس کام کے لیے ایک خاص دن کا اعلان کیا گیا(۱) اور سیاسی جغادریوں، علمی شخصیتوں، فوجی سپہسالاروں، شاعروں وغیرہ کو دعوت دی گئی کہ اس محفل میں شرکت فرمائیں۔

شیخ مفید نے نقل کیا ہے کہ ایک عظیم مجمع میں کہ جس میں حکومت کے تمام افراد اور اشراف، لشکر کے سردار وغیرہ جمع تھے فضل ابن سہل نے خلیفہ کی جانب سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مامون کے ولیعہد کے طور پر تعارف کرایا، اور دوسرے جلسے میں کہ جس میں خود خلیفہ بھی موجود تھا، مامون اور اس کے بیٹے عباس نے آپ کی ولی عہدی کے اقرار کے بعد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی (۲)۔

---

(۱) ولی عہدی کا یہ جلسہ ماہ مبارک رمضان ۲۰۱ ھ کے پہلے عشرے میں ہونے پر تمام مورخین کا اتفاق ہے البتہ تاریخ میں اختلاف ہے کہ پہلی تاریخ تھی (علامہ مجلسی کی نظر، بحارالانوار، ج ۱۰۲، ص ۴۳۔ میں) یا رمضان کی دوسری تاریخ تھی، (اہل سنت کی نظر، تاریخ طبری، ج ۷، ص ۱۳۹۔ الکامل فی التاریخ، ج ٦، ص ۳۲٦۔ وغیرہ میں) ماہ رمضان کی پانچویں تاریخ تھی، (شیخ صدوق اور طبرسی کی نظر، عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۴۵ و اعلام الوری، ص ۳۲۸۔ میں) یا رمضان المبارک کی ساتویں تاریخ تھی، (تاریخ دمشق، ج ۳۳، ص ۳۳۸)۔ ممکن ہے کہ یہ اختلاف اس لیے بھی ہو کہ اس جلسہ کے اہتمام میں کئی روز لگے ہوں۔

(۲) الارشاد، ج ۲، ص ۲۵۲۔

اس جلسے کے بارے میں ابوالفرج اصفہانی تحریر کرتے ہیں: فضل نے پہلے مرحلے میں خصوصی افراداور شخصیتوں کے لیے ایک جلسہ منعقد کیا اور رسمی طور پر بیعت کے لیے اگلے ہفتہ کا اعلان کر دیا۔(۱)

مقررہ دن ایک عظیم و پرشکوہ محفل سجائی گئی کہ جس میں مامون اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بیٹھنے کے لیے خصوصی جگہ بنائی جن لوگوں کو دعوت دی گئی تھی وہ ایک خاص اہتمام کے ساتھ سبز کپڑے پہنے ہاتھوں میں پرچم اٹھائے ہوئے محفل میں وارد ہوئے۔(۲)

اس محفل کی ذمہ داری مامون کے وزیر ثابت بن یحی بن یسار رازی معروف بہ ابوعباد پر تھی۔ وہ ایک غصہ ور اور جسور شخص تھا، اس نے خلیفہ مامون کے احترام میں اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اوصاف میں چند جملے کہنے کے بعد اس محفل کے انعقاد کی وضاحت کی اور لوگوں سے چاہا کہ مراتب کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہاتھ پر ولیعہد کے طور پر بیعت کریں۔(۳)

بیعت کے مراسم میں یہ ترتیب رکھی گئی کہ لوگ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہاتھ پر ولیعہد، خلیفہ کے کے لیے خلافت اور وزیر کے ساتھ وزارت کے منصب کی بیعت کریں۔

ریان بن شبیب نے نقل کیا ہے: اس روز کے اجتماع میں، خلیفہ کا قصد یہ تھا کہ لوگ اس کے ہاتھ پر امیر المومنین کے عنوان سے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہاتھ پر ولیعہد کے طور پر اور فضل بن سہل کے ہاتھ پر بعنوان وزیر بیعت کریں۔ اسی لیے تین کرسیاں رکھی گئی تھیں اور لوگوں سے کہا گیا تھا کہ ہر ایک کی بیعت کے وقت اس کو اس عہدے کے ساتھ پکارنا ہے۔(۴)

---

(۱) مقاتل الطالبین، ص ۵۶۳۔

(۲) مقاتل الطالبین، ص ۵۶۳۔

(۳) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۴۵۴۔

(۴) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۳۹۔

بہر حال بیعت سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مطابق انجام پائی اور سب نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی، پھر خطباء اور شعراء نے خلیفہ اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شان میں اور ولی عہدی کو قبول کرنے کے شکرانے کی تقریریں اور قصیدے پڑھے، اس وقت حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے کلام کا اسطرح آغاز فرمایا:

"بسم الله الرحمن الرحيم ، الحمد لله الفعال لما يشاء ، لا معقب لحكمه ، ولا راد لقضائه ، يعلم خاينة الاعين وما تخفى الصدور، صلى الله على محمد فى الاولين والآخرين، على آله الطيبين الطاهرين۔۔۔۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس مختصر سے خطبے میں خداوند عالم کی حمد وثناء اور رسول اکرم اور آپ کی آل پاک پر درود وسلام کے بعد اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: مامون نے حکومت کی ذمہ داریوں کو اپنے بعد میرے سپرد کیا ہے۔

پس جو شخص بھی چاہتا ہے کہ اپنے پروردگار سے عہد و پیمان مضبوط اور اس رشتہ کو کہ جو خداوند عالم سے باندھا ہے استوار رکھے، وہ اس عہد و پیمان اور رشتہ کو نہ توڑے اور حلال خدا کو حرام اور حرام الٰہی کو حلال نہ کرے اور جو ولی عہد کی مخالفت کر کے امام کو مورد الزام قرار دے اور دین اسلام کی ہتک حرمت کرے، میں اس کے ساتھ صبر وشکیبائی اختیار کروں گا، ہمارے بزرگوں کی روش اس طرح کے نادان اور پست افراد کے ساتھ یہی رہی ہے۔ وہ حضرات حوادث اور ناگوار مواقع پر صبر کرتے تھے اور میں نہیں جانتا کہ آخر کار میرے اور تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ حکم وقانون اللہ ہی کے لیے ہے وہ حق کے ساتھ حکم کرتا ہے اور وہی حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۴۶۔

دوسری روایات میں اس طرح بھی ذکر ہوا ہے کہ محفل کے آخر میں، مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے چاہا کہ آپ بھی تقریر فرمائیں، امام نے قبول فرمایا اور حمد وثناء الٰہی کے بعد فرمایا: "ان لنا علیکم حقا برسول الله ولکم علینا حق به--- "(۱) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ہم سے نسبت کی وجہ سے ہمارا تم پر کچھ حق ہے اور اسی نسبت کی وجہ سے تمہارا بھی ہم پر حق ہے، پس جب تم لوگ ہمارے حق کا لحاظ کروگے تو ہم بھی تمہارا حق ادا کریں گے۔

شاید سب لوگ منتظر تھے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے خطبہ میں مامون کا بعنوان خلیفہ تذکرہ فرمائیں اور اس نعمت پر شکر کریں کہ جوان کو ولی عہدی کے طور پر دی گئی تھی لیکن حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ان دونوں باتوں کی طرف کوئی اشارہ نہیں فرمایا اور فقط اپنے الٰہی منصب ومقام، مخاطب افراد کو یاد دلا دیا۔

---

(۱) الارشاد، ج۲، ص۲۵۳۔

ساتویں فصل

عہد نامہ ولی عہدی

ساتویں فصل

عہدنامہ ولی عہدی

اسلامی تاریخی اسناد میں سے ولی عہدی کی دستاویز ایک عظیم اوراہم ترین واقعہ ہے کہ جومختلف منابع میں مذکور ہے اس عہدنامہ کا متن یحی بن اکثم ،عبداللہ بن طاہر،حماد بن نعمان،فضل بن سہل اوران جیسے دوسرے سیاسی اورمشہورافراد کی زیرنظرتحریرہوا ہے کہ جس کوعلی ابن عیسی اربلی نے اس طرح تحریر کیا ہے۔(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر امیرالمومنین عبداللہ بن ہارون کے ذریعہ اپنے ولیعہد علی بن موسی کے لیے تحریر گئی ہے۔

----

(۱) علی بن عیسی اربلی کے نسخہ کے مطابق عہدنامہ کا متن اس طرح ہے:"قال الفقير الى الله تعالى عبدالله علی بن عيسى اثابه الله ، وفى سنة سبعين و ست مائة وصل من مشهد الشريف احد اقوامه و معه العهد الذى كتبه المامون بخط يده و بين سطوره و فى ظهره بخط الامام ماهو مسطور ، فقبلت مواقع اقلامه، وسرحت طرفى رياض كلامه ، و عددت الوقوف عليه من منن الله و انعامه، ونقلته حرفا فحرفا وهو بخط المامون" کشف الغمہ ،ج۳،ص۱۷۲۔

خداوند عالم نے اسلام کو اپنا برگزیدہ دین قرار دیا اور اس کی تبلیغ کے لیے انبیاء کو مبعوث کیا تا کہ مخلوق کو اس کی جانب راہنمائی اور ہدایت کریں، پہلے رسولوں نے اپنے بعد آنے والے رسولوں کی خوشخبری دی اور جو رسول بعد میں آئے انہوں نے اپنے سے پہلے والے رسولوں کی تائید فرمائی یہاں تک کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔ یہ بعثت اس زمانے میں واقع ہوئی کہ جب ایک مدت سے کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا تھا اور جہالت وگمراہی کا بول بالا تھا خداوند عالم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرما کر سلسلہ رسالت کو ختم کر دیا اور آپ کو تمام گذشتہ انبیاء پر گواہ قرار دیا۔

قرآن کریم کہ جس میں کسی بھی طرف سے باطل کی گنجائش نہیں ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا، وہ کتاب کہ جس میں حلال وحرام، وعدہ وعید، امر و نہی موجود ہے تا کہ مخلوق پر خداوند عالم کی جانب سے حجت کامل واقع ہو اور اس کی روشنی میں لوگ کاملاً آگاہی کے ساتھ اپنا راستہ خواہ ہلاکت ہو یا حیات واقعی انتخاب کریں۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کو انجام دیا اور لوگوں کو خداوند عالم کی جانب دعوت دی یہاں تک کہ خود بھی پروردگار کی جانب چلے گئے اور اس مقام پر فائز ہوگئے کہ جو خداوند عالم کی جانب سے آپ کے لیے معین کیا گیا تھا۔

جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا اور وحی و رسالت الٰہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اختتام پذیر ہوئی خداوند عالم نے دین کی پائداری اور مسلمانوں کے امور کو خلافت کے ذمہ چھوڑ دیا اور خلفاء کی پیروی کو واجب قرار دیا تا کہ ان کی اتباع میں اسلامی معاشرہ عزت پا سکے اور حقوق الٰہی اجرا ہوسکیں اور واجبات وحدود الٰہی اور سنتوں پر عمل کیا جا سکے اور دین وامت کے دشمنوں کو جہاد کے ذریعہ پسپا کیا جا سکے

اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں پر لازم ہے کہ اپنی ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے اور دین الٰہی و بندگان خدا کی نگہبانی میں خداوند عالم کے فرامین کے مطیع رہیں۔

اسی طرح مسلمانوں پر واجب ہے کہ خلفاء کی اطاعت کریں اور ان کے حقوق الٰہی کو زندہ رکھنے و عدل وانصاف بر پا کرنے اور جان و مال اور راہوں میں امنیت اور لوگوں کے درمیان الفت ومحبت ایجاد کرنے میں مدد کریں۔اس لیے کہ اگر لوگ اپنے حاکم کی اطاعت نہ کریں ،مسلمانوں کے درمیان اختلاف ہوگا اور اتحاد ختم ہوجائے گا، دین مغلوب ہوجائے گا اور دشمن غالب آ جائیں گے! کہ جو مسلمانوں کے دنیوی واخروی ضرر کا سبب ہوگا۔

پس حق یہ ہے کہ حاکم کہ جو خداوند عالم کی جانب سے مخلوق کے بارے میں امانتدار ہیں وہ خداوند عالم کی رضایت کی خاطر، اس کی اطاعت میں کوشش کریں اور ایثار سے کام لیں، عدالت کو اجرا کریں، اس لیے کہ خداوند تبارک وتعالی نے حضرت داؤد سے فرمایا: "اے داؤد ہم نے تجھ کو زمین میں خلیفہ قرار دیا پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم کرو اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی نہ کرو، اس لیے کہ خواہشات نفس کی پیروی راہ خدا سے منحرف ہونے کا باعث ہے۔

وہ لوگ کہ جو راہ خدا سے منحرف ہوکر گمراہ ہوجاتے ہیں، دردناک اور سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ روز قیامت کو بھلا بیٹھے ہیں"۔(۱)

خداوند عالم نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: "تیرے پروردگار کی قسم! تمام انسان جو عمل کررہے ہیں ان کے بارے میں سوال کیے جائیں گے"۔(۲)

عمر ابن خطاب سے اس طرح نقل ہوا ہے کہ اس نے کہا: اگر کوئی بچھڑا بھی فرات کے کنارے مرجائے تو مجھ سے خداوند عالم اس کے ضائع ہونے کے بارے میں سوال کرے گا۔

---

(۱)''ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لهم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب''ص/۲۶۔

(۲)''فوربك لنسئلنهم اجمعین، عما کانوا یعملون'' حجر/۹۳-۹۲۔

خدا کی قسم! اگر ہر انسان سے اس کے ذاتی مسائل اور ان معاملات کے بارے میں کہ جو اس کے اور خدا کے درمیان ہیں، سوال و جواب کیے جائیں گے اور وہ سزا، یا جزا کا حقدار ہوگا! تو وہ شخص کہ جو پوری امت کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اس کا حال کیا ہوگا لہذا اس کو ایک معاشرے کے تمام حقوق کا لحاظ وحفاظت کرنی چاہیے۔

جی ہاں! صرف خدا پر اعتماد اور اسی سے پناہ مانگنی چاہیے۔

اپنے معاملہ میں بابصیرت اور امر دین و بندگان خدا کے ساتھ سب سے زیادہ خیر خواہ وہ شخص ہے کہ جو ہمیشہ کتاب الٰہی اور سنت رسول پر عمل کرے اور اس خدا کے بارے میں کہ جس نے اس کو خلافت عطا کی ہے اور مسلمانوں کی امامت اس کے حوالے کی ہے، غور وفکر کرے لوگوں میں الفت ومحبت ایجاد کرے اور ان کے جان ومال کے لیے امن وامان کا ذمہ دار ہو۔

خداوند عالم نے خلیفہ کے ساتھ عہد و پیمان اور بیعت پر باقی رہنا اسلام کے لیے شکوہ اور دین کے لیے عزت اور مسلمانوں کے لیے صلاح قرار دیا ہے۔

خداوند عالم نے اپنے خلفاء پر الہام کیا ہے کہ اپنے بعد کے لیے ایسے افراد کا انتخاب کریں کہ جن کا وجود الٰہی نعمتوں کی قدر اور معاشرے کی سلامتی کا ضامن ہو۔

صحیح انتخاب کے باعث دشمنوں اور تفرقہ ڈالنے والوں کا مکر وحیلہ ناکام رہ جائے گا۔

جی ہاں! امیر المومنین - مامون - کہ جس روز سے اس کے کاندھوں پر یہ بار خلافت رکھا گیا ہمیشہ اس کی تلخی وسختیاں محسوس کر رہے ہیں اور خداوند عالم کی خوشنودی کو مدنظر رکھتے ہوئے زحمتوں کو تحمل کیا ہے، راتیں جاگ کر گذاری ہیں اور ہمیشہ دین کی عزت ومشرکوں کی نابودی ولوگوں کے فلاح، عدل وانصاف کا قیام اور قرآن وسنت کو برپا کرنے کے سلسلے میں فکرمند رہے ہیں۔

اس عہدے کو ذمہ داری سمجھتے ہوئے برداشت کررہے ہیں کیوں کہ یہ جانتے ہیں کہ خداوند عالم کو اس سلسلے میں جواب دینا ہے اور یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت دین و بندگان خدا کے خیر خواہ کی حیثیت سے پہچانے جائیں اور ایسا ولیعہد انتخاب کریں کہ جو تمام لوگوں کے درمیان بہترین باتقوی اور دین وعلم میں سب سے زیادہ آگاہ اور احکام الٰہی کو اجرا کرنے والا ہو۔

بے شک! مامون نے اس عظیم مسئلے میں خداوند عالم سے دعائیں کی ہیں اور اس سے طلب خیر کی ہے اور شب و روز خداوند عالم سے چاہا ہے کہ جس طرح اس کی رضا ہو اس کے بارے میں الہام ہو جائے۔

خلیفہ نے اس راز و نیاز کے ساتھ ساتھ بنی عباس اور علویوں کے درمیان تلاش کی اور جستجو کو جاری رکھا یہاں تک کہ سب کو پہچان لیا اور دونوں خاندانوں کو آزمایا ان سب کے درمیان صرف علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کو سب سے زیادہ شائستہ اور لائق پایا اور ان کو اس عہدہ کی ذمہ داری کے لیے منتخب کیا، اس لیے کہ ان کے فضل و شرافت، علم، ورع، زہد، دنیا سے بیزاری اور انسان دوستی کو دیکھا اور تمام لوگوں کو ان کی عظمت و بزرگی پر متفق پایا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے بعد ولیعہد و خلافت کے منصب پر انہیں نامزد کیا، خداوند عالم پر اعتماد تھا، اس لیے خداوند عالم جانتا ہے کہ خلیفہ نے ایثار سے کام لیتے ہوئے دین کی خدمت اور اسلام و مسلمانوں کے لحاظ اور حق کی پائداری و سلامتی اور قیامت میں نجات کی خاطر یہ اقدام کیا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ امیر المومنین نے، یعنی میں کہ مامون ہوں، اپنی اولاد، خاندان، عزیز و اقارب اور لشکر کے سرداروں اور تمام خدمت گذاروں کو بلایا سب نے خوشی خوشی ان کی بیعت کی وہ جانتے تھے کہ امیر المومنین- مامون- کا یہ اقدام ایثار گرانہ ہے اس لیے انہوں نے خداوند عالم کی اطاعت کو اپنی اولاد، رشتہ داروں اور عزیز و اقارب سے محبت و لگاؤ پر ترجیح دی ہے اور ان کا نام رضا رکھا، اس لیے کہ وہ امیر المومنین کے پسندیدہ ہیں۔

اے خاندان امیر المومنین، مامون، اور اے تمام لشکر کے سرداروں، سپاہیوں اور مسلمانوں کہ جو مدینہ میں ہو، امیر المومنین-مامون-اور علی بن موسی کی بیعت کرو، اس بیعت کے لیے اپنے ہاتھوں کو آگے بڑھاؤ اور کشادہ دلی کے ساتھ استقبال کرو۔

یہ سمجھ لو کہ امیر المومنین نے اس امر میں اطاعت خداوند کے ہمراہ تمہاری مصلحت کو مدنظر رکھا ہے۔

خدا کے شکر گزار رہو کہ اس نے یہ نادر خیال امیر المومنین پر الہام کیا ہے۔۔۔تم خداوند عالم اور امیر المومنین کی اطاعت میں جلدی کرو، اگر ایسا کرو گے، امن وامان میں رہو گے اور اس کی برکتوں سے بہرہ مند ہو گے۔

اس عہد نامہ کو مامون نے بقلم خود بروز پیر بتاریخ ۷/ ماہ رمضان المبارک سن ۲۰۱ ہجری میں تحریر کیا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منسوب دستخط

اب تک جو کچھ ذکر ہوا وہ ولی عہدی کے سلسلے میں مامون کی تحریر تھی۔تاریخی منابع میں مذکور ہے کہ مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے چاہا کہ آپ بھی اس عہد نامہ کی تائید میں اور ولی عہدی کو قبول کرنے کے سلسلے میں چند سطریں تحریر فرمائیں، حضرت امام رضا علیہ السلام نے قبول فرمایا اور اس طرح تحریر فرمایا:(۱)

---

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم ، الحمد للہ الفعال لما یشاء،لا معقب لحکمہ، ولا راد لقضائہ، یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور، وصلاتہ علی نبیہ محمد خاتم النبیین، وآلہ الطیبین الطاھرین، اقول وانا علی بن موسی الرضا بن جعفر: ان امیرالمؤمنین عضدہ اللہ بالسداد، ووفقہ للرشاد، عرف من حقنا ما جھلہ غیرہ، فوصل ارحاما قطعت، وامن نفوسافزعت، بل احیاء ھا وقد تلفت، و اغناھا اذافتقرت، مبتغیا رضی رب العالمین،لایرید جزاء من غیرہ و سیجزی اللہ الشاکرین، باقی صفحہ ۲۱۱ پر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس خداوند عالم کا شکر ہے کہ جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے اور اس کے کاموں میں کسی کو چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے، وہ آنکھوں کی خیانت چاہے سریع اور مختصر ہی کیوں نہ ہو سب دیکھتا ہے اور دلوں کے مخفی رازوں سے بھی واقف ہے۔

درود و سلام ہو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پاک پر

مذکورہ ذیل عبارت مجھ علی بن موسیٰ کی تحریر ہے۔

صفحہ ۲۱۰ کا بقیہ۔ ولا يضيع اجر المحسنين ، وانه جعل الى عهده ، والامرة الكبرى ان بقيت بعده، فمن حل عقدة امر الله بشدها ، وفصم عروة احب الله ايثاقها ، فقد اباح حريمه، واحل محرمه، اذ كان بذالك زاريا على الامام ، منتهكا حرمة الاسلام ، بذالك جرى السالف فصبرمنه على الفلتات، ولم يعترض بعدهاعلى العزمات، خوفا من شتات الدين، اضطراب حبل المسلمين، ولقرب امر الجاهلية ، ورصد فرضة تنتهز، وبايقة تبتدر ، وقد جعلت لله على نفسى ان استرعانى امر المسلمين وقلدنى خلافته، العمل فيهم عامة، و فى بنى العباس خاصة، بطاعته و طاعة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم،وان لااسفك دما حراما ولاابيح فرجا ولامالاالا ماسفكته حدود الله عنه، فانه عز و جل يقول: ﴿ اوفوا بالعهدان العهد كان مسؤلا﴾ **(اسراء/۳۴)** وان احدثت او غيرت او بدلت كنت للغير مستحقا ، وللنكال متعرضا ، واعوذبالله من سخطه ، واليه ارغب فى التوفيق لطاعته، والحول بينى و بين معصيته، فى عافية لى و للمسلمين، والجامعة والجفر يدلان على ضد ذالك وما ادرى ما يفعل بى و بكم۔ ﴿ ان الحكم الا لله يقص الحق وهو خير الفاصلين﴾ **(انعام/۵۷)** لكنى امتثلت امر امير المومنين و آثرت رضاه ، والله يعصمنى وإياه، واشهد الله على نفسى بذالك وكفى بالله شهيدا ۔ ***کشف الغمہ***، ج۳، ۱۷۷-۱۷۸۔

بیشک مومنوں کے حاکم -خداوندعالم اس کی سچائی اور حق کی پائداری میں مدد فرمائے اور رشد و کامیابی کی راہ میں کامیاب کرے-اس نے ہمارے اس حق کو رسمی طور سے پہچان لیا کہ جس کے دوسرے منکر تھے، بنی عباس وعلویوں کے درمیان رشتے ٹوٹ چکے تھے اس نے آپس میں ملا دیے اور ان کی جانوں کو کہ جو گذشتہ خلفاء کے ظلم وستم سے خوف ناک تھیں، آسائش فراہم کی، بلکہ ان دلوں کو کہ جو نابودی کے نزدیک تھے زندہ کیا اور ضرورتمندوں کو بے نیاز کیا اور ان کاموں میں خداوندعالم کی رضایت کو مدنظر رکھا اور اس کے علاوہ کسی اور سے بدلے کا خواستگار نہیں ہے۔

بہت جلدی خداوندعالم اپنے شاکر بندوں کو جزائے خیر دے گا اور وہ نیک بندوں کے اعمال کو ضائع نہیں کرتا۔

مومنوں کے حاکم -مامون- نے اپنی ولی عہدی اور خلافت کو میرے سپرد کیا ہے البتہ اگر اس کے بعد میں زندہ رہوں۔

آج کے بعد سے جو شخص بھی اس عہد کو توڑنے کی کوشش کرے کہ جس کو خداوندعالم نے مضبوطی کے ساتھ باندھنے کا حکم دیا ہے، اور اس رشتہ کو توڑے کہ جس کا استحکام خداوندعالم پسند فرماتا ہے گویا وہ حرمت الٰہی کو پامال کررہا ہے اور حرام الٰہی کو حلال شمار کررہا ہے۔

اگر اس کام سے چاہے کہ اپنے امام پر عیب لگائے اور اسلام کے حریم کو چاک کرے۔تو میں اس کے اس فعل پر صبر کروں گا اس لیے کہ گذشتہ گان نے بھی ہمیشہ یہی شیوہ اپنایا ہے۔

وہ بھی لغزشوں پر صبر فرماتے اور ناگوار کاموں پر خاموشی اختیار کرتے تاکہ دین میں اختلاف نہ پڑے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد، اختلاف میں تبدیل نہ ہوجائے اس لیے کہ جاہلیت کا زمانہ ماضی قریب ہی کی بات ہے منافقین اور موقع کے متلاشی افراد آشوب برپا کرنے کے لیے تاک میں لگے رہتے تھے۔

میں خدا کو اپنے اوپر گواہ بناتا ہوں کہ اگر خداوند عالم نے مسلمانوں کی حکومت اور خلافت، مجھ کو عطا کی تو میں مسلمانوں کے ساتھ بطور عموم اور بنی عباس کے ساتھ بطور خصوص خداوند عالم اور رسول اکرم کے فرمان کے مطابق حکومت کروں گا کسی کا بے گناہ خون نہیں بہے گا کسی کی ناموس اور مال کو مباح نہیں مانا جائے گا سوائے الٰہی قانون اور اسی کی اجازت سے۔

میرا خدا شاہد ہے کہ میں لائق افراد کو انتخاب کرنے میں اپنی انتہائی کوشش کروں گا۔ میں نے یہ عہد و پیمان اپنے خدا سے باندھا ہے۔ یہ ایک بہت اہم عہد ہے کہ جو خداوند عالم کے سوال و جواب کا مستحق ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: عہد کی وفا کرو اس لیے کہ عہد کے متعلق سوال ہوگا۔"

اگر کسی اور راستہ کو اپناؤں یا اپنے عہد کے خلاف کوئی کام انجام دوں تو سزا کا مستحق ہوں۔

خداوند عالم کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں، اور اس کی طرف مشتاقانہ نظر کیے ہوئے ہوں تا کہ وہ اپنی اطاعت کی راہ میں مدد کرے اور مجھ پر گناہوں کی راہ بند کردے اور مجھ کو اور تمام مسلمانوں کو لباس عافیت پہنائے۔

لیکن علم جفر و جامعہ(۱) ان تمام باتوں کے خلاف بتا رہا ہے اور میں نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے سر پر کیا گزرنے والا ہے۔

---

(۱) علم جفر و جامعہ گذشتہ علماء کا علم ہے کہ جس کے ذریعہ سے وہ آئندہ حوادث کے بارے میں پیشنگوئی کرتے تھے۔ اسی طرح "جفر" اور "جامعہ" دو کتابوں کے نام ہیں کہ جو حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے منسوب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ تمام کائنات کے گذشتہ اور آئندہ کے حوادث اس میں موجود ہیں، آئمہ طاہرین علیہم السلام اپنے قریبی اصحاب کو وہ دکھا دیتے تھے اور بہت سے افراد نے اس سے استناد بھی کیا ہے۔(الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا علیہ السلام، ص ۳۴۴) لیکن یہ کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کے عہدنامہ کے پیچھے اور رسمی سند میں جفر و جامعہ کے متعلق گفتگو کی ہو بعید اور محل تردید ہے، اس لیے کہ مامون اور اس کے طرفدار جفر و جامعہ کہ جو شیعوں کے اماموں سے مخصوص ہے اور اس کے ذریعہ سے غیب سے آگاہ ہوتے ہیں، اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ امام رضا، ناجی، محمد رضا، ص ۱۱۲۔

حکم صرف خداوند عالم کا ہے وہی حق کو بیان کرتا ہے اور حق و باطل کو بہترین طریقہ سے جدا کرتا ہے جب کہ میں جانتا ہوں کہ میں حکومت وخلافت کی فرصت نہیں پاؤں گا۔ میں نے مومنوں کے حاکم -مامون- کے حکم کا امتثال کیا اور اس کی خوشنودی کو مدنظر رکھا، خداوند مجھے اور اس کو حفظ فرمائے۔

خداوند تبارک وتعالی کو اس مضمون پر گواہ بناتا ہوں اس لیے کہ اس کی گواہی کافی ہے۔

ولی عہدی کے حکمنامہ پر تحلیل

ولی عہدی سے متعلق حکمنامہ پر تفصیل سے بحث کتاب حاضر میں اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں بعض تاریخی حقائق، نتائج اور مطالب حاصل کیے جاسکتے ہیں جو دوسرے مقامات پر اس صراحت کے ساتھ نہیں ہیں۔

اس عہدنامہ میں کہ جو مامون کے ہاتھوں کا تحریرشدہ ہے بہت سے اہم وباریک نکتے موجود ہیں کہ جن کو ہم ترتیب وار بیان کرتے ہیں۔

۱- مامون کا بار بار اپنے لیے امیرالمومنین کا لفظ استعمال کرنا اور تمام مخاطبین کے ذہنوں میں اس مطلب کو راسخ کرنے کی کوشش کرنا۔

۲- حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے بہانے اپنے لیے بھی بعنوان خلیفہ لوگوں سے بیعت لینا۔ لہذا لکھتا ہے کہ لوگ پہلے امیرالمومنین -مامون- کی بعنوان خلیفہ پھر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بیعت کریں، یہ بات اگرچہ ظاہراً معمولی نظر آرہی ہے اس لیے کہ جب تک کہ خلافت نہ ہو ولی عہدی بھی نہیں ہوسکتی۔

لیکن اگر مامون صرف اپنے لیے عام لوگوں سے بیعت لینا چاہتا یہاں تک کہ زبردستی بھی تو بھی کامیاب نہیں ہو پاتا لیکن حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کی بیعت کے سہارے سے اس مقصد میں باآسانی کامیاب ہوگیا۔

۳-مامون، خلافت کو رسالت کے سلسلہ کی کڑی قرار دیتے ہوئے اپنی خلافت کو الٰہی عطا کردہ منصب قرار دینا چاہتا ہے۔

اس کا یہ نظریہ کاملا اہل بیت علیہم السلام سے متفاوت ہے کہ وہ امامت کو دین کا کمال اور رسالت کا استمرار جانتے ہیں مگر ہر قدرت طلب، فاسد اور ہر کس و ناکس کی خلافت کہ جو ظلم و جور سے لوگوں پر مسلط ہوا ہو، کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مامون نے اس بیان کو بھی اپنی مرضی ومنشاء کو شاملکر کے خلافت وسلطنت کو امامت والٰہی قیادت کی جگہ قرار دیا ہے اور اس طرح اپنی حکومت کو تقدس وقانونی حیثیت دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔

۴-اس حکمنامہ میں خلیفہ کا ایک مومن انسان اور پروردگار کے مطیع اور تمام مسلمانوں واسلام کے دلسوز، خیرخواہ کے طور تعارف ہوا ہے کہ گویا اسکی خلافت ایک الٰہی تحفہ ہے۔

۵-خلیفہ نے اپنی اطاعت کرانے کے لیے خداوند عالم کی اطاعت کو ایک مقدمہ بنایا ہے۔

۶-مامون کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال وحرکات کو شریعت اور مسلمانوں کی مصلحت اور دینی والٰہی ذمہ داری کے مطابق جلوہ دے لہذا اس مسئلہ میں قرآن کریم کی آیات سے استناد کرتا ہے۔

۷-مامون کا خلیفہ دوم کی بات سے سند پیش کرنا مذہبی تناؤ وتعصب کو کم کرنے کی کوشش ہے تا کہ اہل سنت کو اپنی حکومت کو ہمنوا بنائے۔

۸-مامون ولی عہدی کو الٰہی منصوبہ اور دین کی عزت وکمال کا باعث شمار کرتا ہے، جب کہ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ، بقیہ خلفاء دلیل دیتے رہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور آئندہ کے بارے میں کسی قسم کا لائحہ عمل طے نہیں کیا۔

۹-مامون بار خلافت کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے کو رنج وزحمت کا سبب قرار دیتا ہے اور اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ اگر خدا کی جانب سے یہ ذمہ داری نہ ہوتی تو اس بوجھ کو اپنے لیے ہرگز قبول نہ کرتا۔

۱۰-مامون حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ولی عہدی کے لیے تمام لوگوں کے درمیان شائستہ ترین، عالم، زاہد، متقی شخص کے طور پر متعارف کرا کے یہی صفات اپنے اندر بھی ظاہر کرنا چاہتا ہے۔

۱۱-مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ولی عہدی کو تفویض کرنے میں لفظ "ایثار" کو مکرر استعمال کیا ہے تا کہ علویوں اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر احسان ظاہر کرے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تحریر کی تحلیل کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کریں گے کہ مامون کی یہ حرکت مذہب شیعہ کے عقائد سے کاملا انحراف رکھتی ہے کہ جس کے مطابق حکومت وخلافت امام سے مختص ہے۔

اس کے علاوہ مامون کے حکمنامہ میں اور بھی نکات قابل ذکر ہیں کہ جن کے لیے مزید تفصیل درکار ہے مثلا حکمنامہ میں بار بار کلمہ الہام کی تکرار کرنا جب کہ ممکن ہے اس کا الہام محض وہم ہو۔

حکمنامہ پر غور وفکر

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے خواہش کی کہ حکمنامہ پر تائید کے طور پر کچھ سطریں تحریر فرمائیں اور حضرت نے بھی (جیسا کہ تاریخی شواہد موجود ہیں) قبول فرمالیا اور کچھ مطالب تحریر فرمائے کی جس میں تقیہ آشکار ہے اور مامون کی پیش کش کے مطابق مجبورا اس کو تحریر کیا کہ جس میں بہت سے نکات اہم اور قابل غور ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تحریر عام لوگوں کی نظر میں شاید محض ایک ایسی تحریر ہو جس میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ولی عہدی کو قبول کرلیا ہے اور مامون کے منصب کی تائید فرمادی ہے، لیکن صاحبان نظر اور ارباب درایت، حضرت کے مختلف بیانات اور دعاؤں کے متن سے حضرت کے موقف اور ہدف اصلی کو روز روشن کی طرح درک کر سکتے ہیں۔

ان میں بعض قابل توجہ نکتے یہ ہیں:

۱-حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تحریر کا ابتدائی جزء اور اس میں استعمال ہونے والے الفاظ ایک طرح کے انتباہ، بے اعتمادی اور پریشانی کی نشان دہی کر رہے ہیں۔اس مختصر سے خطبہ میں یکے بعد دیگرے تین اہم اشارے موجود ہیں جو ایک خاص پیغام دے رہے ہیں۔

الف: خداوند عالم جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے۔

ب: کوئی بھی اپنی چالاکی، دھوکا دھی سے خداوند عالم کے قضاء وقدر اور اس کے حکم کو تبدیل نہیں کرسکتا۔

ج: خداوند عالم تمام خیانت کار نگاہوں سے چاہے کتنی ہی سریع اور مختصر کیوں نہ ہوں آگاہ اور دلوں کے تمام مخفی رازوں سے واقف ہے۔اور مامون کے دلی رازوں سے اچھی طرح واقف ہے۔

۲-حضرت امام علی رضا علیہ السلام حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل پاک پر طیبین وطاہرین کے القاب کے ساتھ درود بھیجتے ہیں جب کہ مامون نے خلفاء کا تذکرہ کیا ہے۔

۳-حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اگر چہ کلمہ امیر المومنین کو مامون کے لیے استعمال کیا ہے، لیکن یہ توجہ رہے کہ یہ خطاب اس زمانے میں ہر خلیفہ کے لیے استعمال ہوتا تھا اور اس کے لغوی معنی مراد لیے جاتے تھے، کہ جس کا مطلب ایک ظاہری حیثیت کو بیان کرنا ہے نہ کہ الٰہی منصب کے حامل ہونے کے حوالے سے، اس لیے کہ مامون ظاہرا لوگوں کا حاکم تھا۔

کلمہ "امیر المومنین "اگر چہ ایک منصب الٰہی کے لیے مخصوص تھا اور مذہب شیعہ میں فقط حضرت علی علیہ السلام سے مخصوص ہے کہ جو خداوند عالم کی جانب سے امامت وحکومت کے عہدہ دار تھے۔لیکن حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس تحریر میں صرف اس لیے مرقوم فرمایا کہ اس زمانے میں عوامی زبان میں ہر حاکم کے لیے استعمال ہوتا تھا، جیسا کہ آج ہر ملک کے صدر کو صدر مملکت کہا جاتا ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو، چاہے وہ لوگوں کے انتخاب سے صدر بنا ہو یا فوج کے حملے سے، یا آمر ہو اور لوگوں کی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ اقتدار پر قابض ہوا ہو۔

۴-حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کے لیے دو جملے فرمائے ہیں کہ جو ظاہراً دعا ہیں، لیکن حقیقتاً اس کے بیان کی صداقت اور حیثیت پر سوالیہ نشان ہیں۔

عبارت میں موجود الفاظ ''عضده الله بالسداد ''کلمہ سداد کے معنی یا صداقت و درستی کے ہیں یا پائداری و پابندی کے، ان دو معانی میں سے کوئی سا بھی معنی ہو دونوں میں مامون پر ایک تعریض وگریز ہے جیسا کہ جملہ ''وفق للرشاد ''میں مامون کی اصلاح کی طلب سمجھ میں آتی ہے۔

ان عبارتوں کی دوسری طرح بھی تشریح وتعبیر ممکن ہے، لیکن جب حضرت کی تمام تحاریر اور سیاسی زندگی پر نظر ڈالی جائے اور علاوہ از ایں بقیہ آئمہ کا بنی عباس و بنی امیہ کے متعلق نظریہ اور سلوک دیکھا جائے اور ان خلفاء کا برتاؤ آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ خصوصا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ ہارون کے سلوک پر غور کیا جائے تو یقینی طور پر یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہی نہیں بلکہ کوئی عام انسان بھی مامون کی حکومت و سیاست سے خیر کی امید نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی ان کے لیے مخلصانہ دعا کر سکتا ہے۔

۵-حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے اس مختصر سے جملے میں ''عرف من حقنا ما جهله غيره '' کہ جو اہل بیت علیہم السلام کے عظیم حق کی طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ جو کسی بھی خلیفہ نے ادا نہیں کیا ہے، وہ حق کہ جس کا مامون نے بھی اپنی اس طولانی تحریر میں کہیں تذکرہ نہیں کیا، اور خلافت و ولایت کے مسئلے کو نمایاں کر کے اس حق کو چھپانا چاہتا ہے، وہ حق کہ اگر مان لیا جائے تو تمام خلفاء بنی عباس و بنی امیہ کی حکومتیں غاصب ثابت ہو جائیں گی۔

مامون کی کوشش ہے کہ ولی عہدی عطا کر کے اپنی جانب سے ایثار کا مظاہرہ کرے، جب کہ حضرت اعلان فرمانا چاہتے ہیں کہ حکومت اصل میں ہمارا حق تھا اور ہے کہ جس کا آج تو ظاہرا اعتراف کر رہا ہے اور رسمی طور پر قبول کر رہا ہے۔

۶-حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا گذشتہ خلفاء کے ظلم وستم کے بارے میں شکوہ کرنا کہ جو اہل بیت علیہم السلام پر ڈھائے گئے یہ خلفاء رسول خدا کی جانشینی کے نام پر آپ کی مسند پر بیٹھ کر لوگوں پر حکومت کرتے اور اولاد رسول پر ظلم وستم کر کے ان کے لیے مشکلات ومصائب کا باعث بنے رہے۔

۷-حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنی ولایت کے عہد و پیمان کے توڑنے کو حریم الٰہی اور حرمت خدا کو توڑنے سے تعبیر کرتے ہیں، جب کہ خود مامون بھی عہد توڑنے والوں میں نمایاں ترین فرد ہے۔

۸-حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا یہ صاف صاف فرمانا کہ آپ کی زندگی کے دن کم رہ گئے ہیں اور یقین ہے کہ اس ولی عہدی سے استفادہ کی نوبت نہیں آئے گی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ ولی عہدی آپ نے اپنی مرضی سے نہیں قبول کی بلکہ زبردستی دی گئی ہے اور مامون کے اصرار پر قبول فرمائی ہے۔

اس پیشنگوئی میں حضرت کا علم امامت بھی آشکار ہے، اور یہ بات بھی واضح ہے کہ اس دوران آپ پر ظلم وستم ہوگا اور خداوند عالم اپنا فیصلہ صادر کردے گا اور حق کو باطل سے جدا فرمائے گا۔

۹-حضرت امام علی رضا علیہ السلام جانتے ہیں کہ مامون کے مسلسل اصرار پر ولی عہدی کو قبول کرنا بعض شیعوں، عزیزوں اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کے ماننے والوں کے نزدیک ایک عجیب امر ہے جس کی وجہ سے ذہنوں میں سوالات جنم لیں گے، اسی وجہ سے آپ نے ''بذالك جرى السالف'' جملہ ارشاد فرمایا کہ ولی عہدی کو قبول کرنا اماموں کی سیرت نہیں رہا ہے اور ہمارے اعتقادی اصول میں نہیں ہے بلکہ گذشتہ خلفاء کے ساتھ مسالمت آمیز رویہ آئمہ کی سیرت رہی ہے، اسی طرح یہ صرف مسلمانوں اور اسلام کی حفاظت کی خاطر قبول کی ہے جیسا کہ حضرت امیر المومنین، امام حسن اور حضرت امام حسین علیہم السلام کی حیات طیبہ میں خلفاء اور خصوصا معاویہ کے ساتھ یہی طریقہ رہا ہے۔

۱۰-حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے کلام میں مامون کی جانب سے احسان اور اس کی ولایت کی نفی وانکار کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، چونکہ مامون ولی عہدی کو سپرد کرنا اپنی جانب سے ایثار قرار دے رہا ہے لیکن حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اگر خداوند عالم نے مسلمانوں کے امور کو میرے سپرد کیا---" یا دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "میں خداوند عالم کے روبرو جواب دہ ہوں گا" اس طرح کے اشارات اور تمام کاموں کی نسبت خداوند عالم کی طرف دینا مامون ہتھکنڈے اور ہوشیاری کی رد اور اس کے دعوں کو بے اعتبار قرار دینا ہے۔

۱۱-حضرت کے مختصر جملات میں حکومت کے بنیادی اصولوں کی طرف اشارے ہیں اور ان میں مامون اور دوسرے خلفاء کی عدم صلاحیت کی طرف اشارے موجود ہیں۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

الف۔ اگر کبھی حکومت میرے اختیار میں آ جائے، سب کے ساتھ خصوصا بنی عباس کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کروں گا جب کہ انہوں نے اولاد علی علیہ السلام کے ساتھ ظلم وستم واستبداد کو روا رکھا ہے اور خلفاء بنی عباس وبنی امیہ نے اپنی خلافت وحکومت کے دوران صرف اپنے خاندان اور طرفداروں کو نوازا ہے اور اہل بیت علیہم السلام پر عرصہ حیات تنگ کیا ہے۔

ب۔قوانین الہی کے علاوہ کوئی خون نہیں بہاؤں گا اور دوسروں کے اموال اور ناموس کی محافظت کروں گا، جب کہ گذشتہ ادوار میں مسلمانوں کی جان، مال اور ناموس کی حفاظت نہیں ہوسکی اور یہ تمام چیزیں ان کے اقتدار اور دنیاداری کے بھینٹ چھڑی ہیں۔

ج۔حکومت کے نظام کو چلانے کے لیے لائق اور باصلاحیت افراد کو بروئے کار لاؤں گا خواہ وہ علوی ہوں یا غیر، جب کہ تمام بنی عباس وبنی امیہ کو حکومتوں میں حکومت کے گورنر یا دوسرے عمال صرف اپنے عزیز ورشتہ دار ہوتے تھے اور صلاحیت واہلیت کا کوئی معیار نہیں تھا۔

مامون کی مکاری کا توڑ

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اگرچہ مسلمانوں اور اسلام کی مصلحتوں کی خاطر جبری طور پر ولی عہدی کو قبول فرمالیا۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ مامون کے سامنے تسلیم ہو گئے اور اپنی ذمہ داری سے دستبردار ہو گئے۔ بلکہ آپ نے بھی دوسرے آئمہ کی طرح تقیہ کرتے ہوئے صحیح افکار و عقائد کو پھیلانے کے لیے زمینہ ہموار فرمایا ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی اور آپ کے کارناموں سے بہت اچھی طرح واضح ہے کہ آپ نے ہمیشہ بنی عباس کی خلافت کی غلط کاریوں پر تنبیہ کی اور اس کی حقیقت لوگوں پر آشکار فرماتے رہے۔

یہ صحیح ہے کہ مامون عہد نامہ تحریر کرتا ہے، جشن منعقد کرتا ہے، لوگوں سے بیعت لیتا ہے، اہل بیت سے وابستگی و ارتباط کے طور پر بنی عباس کا لباس سیاہ سے سبز رنگ کر دیتا ہے اور اپنے پرچم کا رنگ بھی سبز کرتا ہے، (۱) حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے نام کا سکہ پوری اسلامی مملکت میں جاری کرتا ہے۔ (۲) لیکن حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بھی اپنے کچھ اہداف ہیں کہ جن کا تحمل کرنا مامون کے لیے بہت مشکل ہے کیوں کہ اہل بیت علیہ السلام کی عظمت اور بنی عباس کی ذلت و پستی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

اگر ہم ایک سرسری نظر ان تدابیر پر ڈالیں تو مذکورہ ذیل موارد پر توجہ دیں:

۱- حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا اپنے شیعوں اور ملنے جلنے والوں کو اعتقادی و سیاسی مسائل کی تعلیم دینا۔

۲- گذشتہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کی زندگی اور روش کی تائید اور اپنی زندگی کو اسی سیرت پر کاربند رہنا۔

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۷، ص ۱۳۹۔ تذکرالخواص، ص ۳۱۶۔

(۲) الاغانی، ج ۱۰، ص ۵۲۔ تذکرالخواص، ص ۳۱۶۔

۳- مدینہ سے تنہا سفر اختیار کرنا، ساتھ ہی یہ اظہار کہ آپ جبراً وطن ترک کررہے ہیں اور اپنے خاندان والوں کو رونے اور مرثیہ پڑھنے کی ترغیب دلانا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے سے اس طرح خداحافظی ورخصت ہونا کہ جو مامون کے جبر اور حضرت کے راضی نہ ہونے پر دلیل ہو۔

۴- حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی نیشاپور میں وہ تاریخی روایت کہ جس میں آپ نے اہل بیت علیہم السلام کی امامت کو کلمہ توحید کی شرط قرار دیا اور بہت ہی صاف صاف لفظوں میں بیان فرمایا۔

۵- مامون کی خلافت اور ولی عہدی کی پیشکش رد کرنا اور مسلسل دو مہینوں تک مامون کے اصرار و گفتگو پر مجبوراً قبول کرنا۔(۱)

۶- اپنی زندگی کے دن کم رہ جانے کی خبر دینا اور یہ اظہار کہ آپ مسند خلافت پر بیٹھنے سے پہلے دار فانی سے کوچ کر جائیں گے۔

۷- ولی عہدی کو قبول کرنے کے بعد آپ کے چہرے پر خوشی کا ظاہر نہ ہونا بلکہ خاص مواقع پر اپنی ناپسندیدگی اور غم واندوہ کا اظہار فرمانا۔(۲)

۸- ولی عہدی کو قبول کرنے کی لیے کچھ شرائط کا رکھنا، یہ کہ آپ کسی بھی حکومتی معاملے میں کوئی تجویز یا رائے نہیں دیں گے اور کسی کو نصب یا عزل کرنے میں دخالت نہیں کریں گے۔(۳)

۹- مدینہ سے مرو تک کے سفر میں لوگوں سے عام ملاقاتیں، ایک معمولی واجتماعی زندگی اور ولی عہدی کے قبول فرمانے کے بعد بھی لوگوں کو علم وعمل، زہد وتقوی، معنویت واخلاق کی طرف ترغیب دلانا۔

----

(۱) بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۳۴۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۵۔ بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۴۰۔ الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا، ص۳۲۵۔

(۳) قال علیه السلام: "--- وانا اقبل ذالك علی انی لا اولی احدا ولا اعزل احدا ولا انقض رسما ولا سنة---"۔ عیون اخبار الرضا، ج۲، ص۱۳۹۔ امالی صدوق، ص۷۰۔

۱۰- دنیا کے بڑے بڑے ادیان کے علماء کے ساتھ مناظروں میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا علمی اظہار۔

۱۱- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسنت کا عید کی نماز کے موقع پر عملی مظاہرہ اوراس کا عام لوگوں اور مامون کی حکومت کے افراد پر اثر۔

۱۲- شیعوں سے رابطہ اوران کی ضروری مسائل میں راہنمائی و مدد اور مامون کے اصلی چہرے کو ان کے سامنے بیان کرنا۔

یہ تمام تدبیریں اورعوامل سبب ہوئے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام مامون کے اندازے کے برخلاف لوگوں میں اور بھی زیادہ محبوبیت حاصل کریں اور زیادہ پہچانے جائیں یہاں تک کہ مامون اپنی سیاسی چال سے پشیمانی محسوس کرنے لگے بلکہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی فعالیت محدود کرنے یہاں تک کہ آپ کو شہید کرنے کی فکر میں پڑ جائے۔

نماز عید کا برپا کرنا

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا ولی عہد نامزد ہونے کے بعد ایک عظیم ترین واقعہ شہر مرو میں نماز عید کی امامت کرنے کے لیے حضرت کا آمادہ ہونا تھا۔ اس تاریخی واقعہ کی اہمیت یہ ہے کہ مامون کے دل کا غبار سامنے آ گیا جب اس نے حضرت کو نماز کی امامت کے لیے جانے سے راستے ہی میں روک دیا۔

اس تاریخی واقعہ کے دو عینی شاہد یاسر خادم اور ریان بن صلت اس طرح بیان کرتے ہیں:

عید فطر کا وقت آ گیا، مامون نے بیماری یا کسی اور سبب (۱) سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو پیغام بھیجا کہ آپ نماز عید کی امامت فرمائیں۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے عہد نامہ کے شرائط کے تحت کہ حکومت کے کسی بھی کام میں مداخلت نہ کریں گے، اس پیغام کو قبول کرنے سے منع فرما دیا۔

---

(۱) کشف الغمہ، ج ۳، ص ۸۷۔ الفصول المہمہ، ص ۲۶۰۔

مامون نے پھر پیغام بھیجا کہ اس پیش کش کا ہدف آپ کی ولی عہدی کو ثابت کرنا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ لوگ ہمارے اس عہد پر یقین کرلیں کہ واقعا آپ نے ولی عہدی کو قبول فرمالیا ہے اور اس کے علاوہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ آپ کی فضیلت سے زیادہ سے زیادہ آگاہ ہوں۔

آخر کار خلیفہ کے مسلسل اصرار پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اس کی پیشکش کو اس شرط پر قبول کیا کہ نماز، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسنت کے مطابق ادا کریں گے۔ مامون نے بھی قبول کرلیا اور حکم دیا کہ تمام سپاہی، درباری اور عوام الناس صبح سویرے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے مکان کے قریب جمع ہو جائیں اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے اپنے بیت الشرف سے نکلتے وقت نماز کی جگہ تک آپ کے ہمراہ چلیں۔

لوگ حضرت کے دولتکدہ کے قریب اور راستے میں جمع ہوگئے اور بہت سے افراد اپنے اپنے گھروں کی چھتوں سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وسنت کے مطابق نکلنا گویا سیرت نبوی وہیبت علوی کا نظارہ کرنے لگے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے بیت الشرف سے باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ خوشبو لگائے ہوئے عبا دوش پر ڈالے سوتی کپڑے کا عمامہ پہنے، ہاتھ میں عصا، برہنہ پا، آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اطمینان ووقار کے ساتھ عیدگاہ کی جانب روانہ ہوئے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی تکبیر کے ساتھ ساتھ تمام افراد کی تکبیر بلند ہوئی اور راستے گونج اٹھے لشکر کے افراد کہ جو گھوڑوں پر سوار تھے حضرت کے احترام میں پیدل ہوگئے اور سب نے اپنے جوتوں کو اتار دیا۔

ایک طرف تکبیر کا شور اور دوسری طرف لوگوں کا حضرت کی زیارت کے اشتیاق میں گریہ، شہر کی فضا ایک روحانی ومعنوی بے نظیر منظر میں تبدیل ہوگئی کہ جس کی اس سے پہلے مثال نہیں ملتی۔

فضل ابن سہل یہ حالت دیکھ کر، خلیفہ تک پہنچا یا اور مامون کو حالات اور ممکنہ خدشات سے آگاہ کیا اور کہا کہ اگر حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اسی کیفیت میں جا کر نماز کی امامت کی تو لوگوں کا منقلب ہونا اور خلیفہ کی منزلت کا نظروں سے گرنا یقینی ہے اور سب کے دل حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی جانب متوجہ ہو جائیں گے۔

مامون نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر حکم دیا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو آدھے راستے ہی سے واپس کر دیا جائے اور ایسا ہی ہوا۔(۱)

مامون اپنے ہی جال میں

مامون کی سیاسی چالبازیاں ابتداء میں اس کی خوشی کا باعث تھیں، لیکن کچھ ہی مدت نہ گزری تھی کہ صورت حال اس کی توقع کے برخلاف نظر آنے لگی یہاں تک کہ وہ جال کہ جو اس نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے لیے بچھائے تھے خود ہی ان میں پھنسنے لگا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام تمام علمی محافل میں حرف آخر اور ایک قاطع کلام فرماتے اور اہل علم آپ کی فکر و دانش کی بلندیوں سے محظوظ ہوتے لوگ آپ کے معنوی و اخلاقی مراتب و مقام سے روز بروز بہتر طور پر واقف ہوتے چلے گئے۔ دوسری جانب مامون کی شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور طمطراق و کروفر نے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام ہر طرح تخت و خلافت کے لیے بدرجہ ہا لائق اور شائستہ ترین شخصیت ہیں۔

اس طرف مامون نے چاہا تھا کہ علوی تحریکوں کو کمزور و خاموش کر دے، علویوں اور بنی عباس کے درمیان جھگڑے و اختلافات کو ختم کر دے، تاکہ اس کی حکومت اور اقتدار کو ثبات مل سکے۔ لیکن علوی ہمیشہ اس کے تمام اقدامات کو شک کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۱۵۰-۱۵۱۔ کشف الغمہ، ج ۳، ص ۱۰۷-۱۰۶۔

اس کے علاوہ خود بنی عباس بھی امین و مامون کی جنگ کی وجہ سے دوحصوں میں تقسیم ہوگئے اور ایک گروہ مامون کی مخالفت کرتا رہا۔اور پھر مامون کا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو ولی عہدی سپرد کرنا بنی عباس کے لیے اور بھی زیادہ پریشانی کا باعث بنا یہاں تک کہ مامون کی اس سیاسی پینترے سے اس کے اپنے طرفدار افراد بھی شک وتردید میں پڑ گئے۔

بغداد میں بنی عباس کی سیاست سے بیزار لوگوں نے اجتماعی تحریک شروع کردی اور مامون کو مرکز سے دور دیکھا تو اس کی خلافت سے بغاوت کر کے ابراہیم بن مہدی معروف بہ ابن شکلہ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔(۱) بصرہ میں کچھ لوگوں نے اسماعیل بن جعفر کی سرداری میں حکومت کی اطاعت سے ہاتھ اٹھالیا اور مامون کی بیعت شکنی کر بیٹھے۔(۲)

علویوں اور عباسیوں کی تحریکیں جاری تھیں کہ دوسرے قبیلوں اور گروہوں نے حکومت کے خلاف سر اٹھانا شروع کردیا۔

ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے کہ جیسے ہی مامون نے ولی عہدی حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سپرد کی اور آپ کا نام رضا رکھا، بنی عباس نے اس کے اس عمل کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور اس کی بیعت کو توڑ دیا اور مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کی بیعت کر لی کہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت میں خلفشار برپا ہوگیا جگہ جگہ بلوے ہونے لگے قریب تھا کہ حکومت سقوط کر جائے۔(۳)

بہرحال، مامون جس چین وآرام کی خاطر سب کچھ کر رہا تھا وہ حاصل نہ کرسکا اور ہمیشہ پشیمان ہو کر مجبور ہوا کہ کوئی دوسری ترکیب نکالے۔

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۷، ص ۱۴۰۔

(۲) تاریخ طبری، ج ۲، ص ۴۴۸۔

(۳) مقدمہ ابن خلدون، ج ۲، ص ۴۰۵۔

مامون کا سیاسی روش کو تبدیل کرنا

جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے کہ مامون کی کوشش تھی کہ گذشتہ خلفاء کے ظلم وستم ، دھمکی وقتل اور زندان وغیرہ کے حربوں کے بجائے مسالمت اور صلح جویانہ سیاسی چالوں سے استفادہ کرے۔

لیکن حالات اتنے بگڑ گئے کہ وہ اپنی سیاست تبدیل کرنے پر مجبور ہو گیا چاروں طرف سے غدر اور تحریکیں، ناامنی اور آشوب خصوصا شہر بغداد اس کی پریشانی کا سب سے بڑا سبب تھا۔ بالآخر اس نے مرو سے بغداد کے سفر کا عزم کیا مگر حالات کو قابو کرنے اور بنی عباس کے غم وغصہ کو دور کرنے کے لیے کون سی نئی سیاسی چال چلی جائے کیوں کہ بنی عباس کے اہل حل وعقد حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کو خلافت کے لیے خطرہ محسوس کر رہے تھے اور اس فکر میں تھے کہ جلد، خلافت آل علی کے ہاتھوں میں چلی جائے گی اور بنی عباس ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔

اسی حالت میں مامون ارادہ کرتا ہے کہ بغداد جائے لیکن ناراض بنی عباس کو کیا ہدیہ وتحفہ دے کہ وہ خوشحال ہو جائیں؟ کیا طاقت وقدرت کا سہارا لے یا پھر کوئی بہانہ اور سیاسی چال کہ جس سے سب رام ہو جائیں؟۔

مامون اصولا سیاسی چالوں کو زیادہ اہمیت دیتا تھا، وہ جانتا تھا کہ بنی عباس اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک انہیں یقین نہ ہو جائے کہ خلافت وحکومت پر ان کا ہی قبضہ رہے گا۔ جس کا ایک ہی طریقہ تھا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دے لیکن کس طرح اور کس بہانے سے؟!

کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو برطرف کر دے اور جو لوگوں سے اتنے وسیع پیمانے پر بیعت لی ہے اس کو نظر انداز کر دے اس صورت میں لوگوں کا ردعمل کیا ہوگا۔ اس کام سے بنی عباس خوشحال لیکن شیعہ اور دوسرے مسلمان مخالف ہو جائیں گے۔

مامون روز عید فطر کی نماز کی روداد سن کر کہ جس میں امام علی رضا علیہ السلام کو راستہ ہی سے ہی واپس بلایا تھا، اپنی سیاست کی روش کی تبدیلی کا آغاز کر چکا تھا لیکن ابھی اس میں تشدد کا عنصر شامل نہیں تھا

فضل بن سہل، مامون کا وزیر اور اس کی فوج کا سپہ سالار مامون کی نئی سیاسی سوچ کی پہلی قربانی قرار پایا۔ وہ مامون کے ساتھ بغداد کے ارادے سے سرخس تک ساتھ آیا اور سرخس میں نہانے کے ارادے سے حمام گیا، وہیں پر چار مسلح افراد کہ جو مامون کی طرف سے مامور تھے مخفی طور سے اس پر حملہ آور ہوئے اور اس کو قتل کر دیا۔(۱)

مامون نے دوسرے مکار سیاست دانوں کی طرح فضل بن سہل کے قاتلوں کو تلاش اور گرفتار کرنے کے لیے کچھ سپاہی بھیجے اور اعلان کر دیا کہ جو قاتلوں کو پکڑے یا خبر دے اس کو انعام دیا جائے گا۔(۲)

تاریخ اس مرحلہ پر واضح طور پر کچھ نہیں بتاتی لیکن مجموعی طور پر نتیجہ نکلتا ہے کہ فضل بن سہل کے قاتلوں کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کو مامون کے حضور پیش کیا گیا انہوں نے حاضر ہو کر اقرار کیا کہ ہم نے آپ کے حکم کے مطابق اس کو قتل کیا ہے! لیکن خلیفہ نے راز کو مخفی رکھنے کے لیے ان لوگوں کو فوراً قتل کرا دیا

بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ آخر کار چار افراد گرفتار ہوئے نہیں معلوم مجرم تھے یا بے گناہ، البتہ فضل بن سہل کے قتل کے جرم میں قتل کر دیے گئے تاکہ فضل کے وارثوں کو خاموش کیا جا سکے اور مامون کے دامن پر اپنے وزیر کے قتل کا الزام نہ لگ سکے۔

بنی عباس کی اکثریت سمجھتی تھی کہ فضل بن سہل خلافت علویوں تک منتقل کرنے میں سب سے بڑا کردار ادا کر رہا ہے، اور اس کے قتل سے مامون کو یہ امید تھی کہ بنی عباس کے جذبات سرد پڑ جائیں گے۔

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۷، ص ۱۴۸۔

(۲) تاریخ طبری، ج ۷، ص ۱۴۸۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فضل بن سہل کا خاتمہ بنی عباس کے لیے بہت بڑی امید کا سرچشمہ تھا۔لیکن محض یہی کافی نہیں تھا اس لیے کہ اصلی مشکل حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولی عہدی تھی جس کا حل نکلنے کے بنی عباس منتظر تھے۔

مامون کی نگاہ میں اس کا راہ حل صرف اور صرف حضرت کا قتل تھا،لیکن مامون کس طرح حضرت امام علی رضا علیہ السلام پر اپنی حکومت کے خلاف کوئی تہمت لگائے یا فضل بن سہل کے قتل کی طرح ایک اور حادثہ رونما ہو،ظاہراً کوئی بھی راستہ مامون کی سیاست اور حالات سے سازگار نہیں تھا۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ مامون کیا کرے گا،لیکن تمام سیاسی شعور رکھنے اور تحلیل کرنے والوں کے لیے واضح تھا کہ اس کے سامنے کچھ راستے ہیں کسی ذریعہ سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی کا خاتمہ کردیا جائے تو ولی عہد یکا مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا اور وہ الزام قتل سے بھی محفوظ رہے گا۔

بغداد جانے سے قبل وہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بارے میں حتمی نتیجہ حاصل کر کے سیاسی فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔

آٹھویں فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت

آٹھویں فصل

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت

مامون مرو سے سرخس ہوتا ہوا طوس آیا تا کہ وہاں سے بغداد کے لیے روانہ ہو سکے، لیکن کچھ روز کے لیے طوس میں قیام کیا۔ طبری کے مطابق مامون نے کچھ عرصہ اپنے باپ ہارون کی قبر کے پاس قیام کیا اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے بہت زیادہ انگور کھائے اور وہ اچانک انتقال فرما گئے!۔(۱)

کیا واقعاً مامون اپنے باپ سے اسقدر محبت و پیار کرتا تھا کہ اس نے حساس حالات میں اپنے باپ کی قبر پر ایک مدت کے لیے قیام کیا اور اس کی روح سے مدد طلب کی تا کہ بغداد کی جانب سفر کر سکے اور وہاں کے غدر و آشوب کر ٹھنڈا کر سکے!۔

کیا یہ محض اتفاق تھا کہ وہ ایک مدت تک طوس میں قیام کرے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کہ جو خود علم طب کے معلم و استاد تھے انگور زیادہ نوش فرمالیں اور بیمار ہو کر اور اچانک انتقال فرما جائیں!۔ تاریخ میں اس طرح کی عبارات کا ہونا خود مامون کی سیاسی بازیگری اور داؤ پیچ کی قلعی کھول دیتا ہے۔

---

(۱) تاریخ طبری، ج ۷، ص ۱۵۰۔ سن ۲۰۳ ہجری کے واقعات کے ذیل میں۔

یا پھر مورخین کی لاپرواہی اور خودغرضی یا مامون کے دامن کو پاک وصاف دکھانا ان کے لیے زیادہ اہمیت کا حامل ہے بجائے اس کے کہ حقیقت بیان کی جائے۔ ممکن ہے دونوں ہی باتیں ہوں۔

طبری اس واقعہ کے بارے میں اضافہ کرتا ہے: مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے انتقال کے بعد حسن بن سہل کے نام ایک خط میں بہت زیادہ غم واندوہ کا اظہار کیا اور بغداد کے عوام اور اپنے تمام گورنروں کو خط لکھ کر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی وفات کی خبر دی۔(۱)

یہ چند سطور اگر چہ متفرق و نامربوط ہیں لیکن ایک نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ جو مامون کے ہدف کو آشکار کر رہے ہیں، اس لیے کہ وہ بغداد جانے سے پہلے سے کوشش کر رہا تھا کہ بنی عباس اور دیگر شورشیوں کو خاموش کر سکے، خلیفہ کی خوش نصیبی کہ حسن بن سہل کہ جو اپنے بھائی فضل بن سہل کے قتل کے سلسلے میں مامون کے بارے میں مشکوک تھا اور انتقام کی راہیں تلاش کر رہا تھا اسی دوران جنون کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا۔(۲) غرضکہ مامون کے بغداد جانے کی راہ کے تمام کانٹے نکل گئے تا کہ وہاں کے آشوب وشورشیوں کے خاتمہ پر پوری توجہ مرکوز کر دے۔

جس طرح حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہارون کے زندان میں لمبی مدت قید رہنے، آزار واذیتوں کی وجہ سے شہید ہوئے اور ہارون نے کوشش کی کہ آپ کی شہادت کو طبیعی موت کے طور پر عام کرے تو واضح ہے کہ مامون بھی اسی روش کو اپنانے میں کوئی دریغ نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کو بعض مورخین نے زیادہ انگور کھانے کو جانا ہے۔(۳)

---

(۱) تاریخ طبری، ج۷، ص۱۵۰۔ سن ۲۰۳ ہجری کے واقعات کے ذیل میں۔

(۲) تاریخ طبری، ج۷، ص۱۵۰۔ سن ۲۰۳ ہجری کے واقعات کے ذیل میں۔

(۳) تاریخ طبری، ج۷، ص۱۵۰۔ الکامل فی التاریخ، ج۶، ص۳۵۱، تاریخ مختصر الدول، ص۱۳۴۔ مختصر اخبار البشر، ج۲، ص۲۳۔ تاریخ ابن خلدون، ج۳، ص۲۵۰۔

اور بعض نے طبیعی موت اور بعض نے بنی عباس کی چال سے تعبیر کیا ہے۔ اور بہت سے حضرات مخصوصاً شیعہ خود مامون کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے زہر دینے اور مسموم کرنے کی وجہ کو شہادت کا سبب جانتے ہیں۔

پہلا نظریہ اس معاملے میں انتہائی پست ہے کہ جس میں کوشش کی گئی ہے کہ مامون کی خیانت کو چھپایا جا سکے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ذات اقدس مخدوش کر دیا جائے اس کو نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہے اس لیے کہ یہ اپنے امام کے بارے میں کہ جو خود صاحب حکمت، عقلمند اور زاہد ہیں اور دوسروں کو طب کی تعلیم دیتے ہیں سوائے عداوت و دشمنی اور بغض و حسد کے کچھ اور نہیں ہوسکتا۔

کیا یہ وہی امام نہیں ہیں کہ جنہوں نے ''رسالہ ذہبیہ'' میں مامون کے لیے تحریر فرمایا: اے مامون انسان کا جسم زمین کی مانند ہے کہ جس کی آبادی کے لیے بہت زیادہ حفاظت کی ضرورت ہے کہ اگر ضروت سے زیادہ پانی دیا جائے تو اس کی فصل برباد ہوجائے گی اور پانی نہ دیا جائے تو کیا بی آب سے خشک ہوجائے۔۔۔ لہذا اچھی طرح سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر غذا استعمال کرو۔

کونسی چیز تمہارے مزاج و بدن کے لیے ساز گار ہے اور اس کے باعث تقویت ہے اور کون سی چیز نقصان دہ ہے اور سلامتی کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ کھانا ایک اندازے کے مطابق کھاؤ۔۔۔ پیٹ بھرنے سے پہلے اٹھ جاؤ کہ یہی جسم کی سلامتی کے لیے مفید ہے اور عقل کے رشد کا سبب ہوگا۔(۱)

کیا ممکن ہے کہ امام ان خواص و معارف جاننے اور ایک نمائندہ الٰہی ہونے کے باوجود کھانے پینے میں بے احتیاطی سے کام لیں کہ جو آپ کے انتقال کا سبب بن جائے؟ مورخین میں سے بعض جیسے ابن جوزی، احمد امین، یعقوبی وغیرہ کا خیال ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام طوس پہنچ کر مریض ہوئے اور طبیعی طور پر انتقال کر گئے اور یہ کہ اس میں کوئی خارجی عوامل شامل نہیں ہیں۔

---

(۱) بحارالانوار، ج ۶۲، ص ۳۱۰۔

ابن جوزی لکھتا ہے: بعض افراد کا خیال ہے کہ مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو زہر دیا لیکن یہ قابل قبول نہیں ہے اس لیے کہ خلیفہ آپ کے انتقال کے بعد بہت زیادہ غمزدہ ہوا اور کئی روز تک کھانے پینے اور عیش و عشرت سے دور رہا یہاں تک کہ بغداد میں بھی اگر چہ اس کا وہاں ورود حضرت کے انتقال سے ایک سال کے بعد ہے لیکن سبز کپڑوں میں وارد ہوا۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی وفات کی وجہ بیماری و شدید تھکان تھی کہ جو شہر طوس میں حضرت کو عارض ہوئی اور وہیں انتقال فرما گئے۔(۱)

یعقوبی ۲۰۳ھ کے واقعات کے میں لکھتا ہے: حضرت امام علی رضا علیہ السلام ایک گاؤں کہ جس کو نوغان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے انتقال فرما گئے اور آپ کی بیماری تین دن سے زیادہ نہ تھی۔(۲)

بہر حال، بہت سے علماء جیسے شیخ صدوق و مفید کہ عصر آئمہ سے بہت نزدیک تھے ان کے بیانات اور مختلف روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ جس کی طرف بعد میں اشارہ کیا جائے گا، اس نظریہ کو بھی قبول نہیں کیا جاسکتا، لہذا جو کچھ مورخین و محدثین کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہے اور روایات بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہیں وہ یہی ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو انگور کے ذریعہ زہر دیا گیا یا انار کے ذریعہ حضرت کو مسموم کر دیا گیا ہے۔(۳)

مامون اصلی مجرم

مذکوہ مطالب پر توجہ رکھتے ہوئے، اس نظریہ کو تقویت ملتی ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام طبیعی موت کی بناء پر دنیا سے رخصت نہیں ہوئے ہیں اور آنحضرت کی شہادت کا اصلی سبب اور مجرم خود خلیفہ ہے۔

---

(۱) تذکرۃ الخواص، ص ۳۱۸۔

(۲) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۴۵۳۔

(۳) الصواعق المحرقہ، ص ۲۴۔ الفصول المہمہ، ص ۲۶۲۔ اثبات الوصیہ، ص ۲۲۸۔ مروج الذہب، ج ۳، ص ۴۱۷۔ ینابیع المودۃ، ص ۳۶۳۔ الفخری، ص ۲۱۸۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت مامون کے ہاتھوں زہر دینے کی وجہ سے ہوئی ہے، اس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ روز شہادت لوگ جمع ہوئے اور سب کو یقین تھا کہ مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مسموم کیا ہے۔(۱) اس مسئلہ کی اہمیت یہ ہے کہ جو لوگ حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے رابطے میں تھے وہ آپ کی سیاسی زندگی، موقعیت و مقام سے دوسروں کی بنسبت زیادہ آگاہ تھے اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور مامون کے روابط اور سیاسی حالات کو اچھی طرح درک کرتے تھے۔

عبداللہ بن موسی نے اسی روز مامون کو ایک خط تحریر کیا کہ جس میں خلیفہ کے اس اقدام کو صراحت سے بیان کرتے ہوئے اس کو قتل کا سبب قرار دیا۔(۲)

ابوصلت ہروی سے بھی سوال کیا گیا: مامون کس طرح حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا جب کہ وہ حضرت کا بہت احترام کرتا تھا اور آپ کو اس نے اپنا ولیعہد بھی نامزد کیا تھا؟ ابوصلت نے اس بات کی تائید کرتے ہوئے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کو مامون نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے کہا: خلیفہ حضرت کا احترام و اکرام کرتا تھا تو وہ اس لیے تھا کہ وہ امام کی برتری سے آگاہ تھا اور اگر آپ کو ولی عہدی دی تھی تو وہ اس لیے تھی کہ وہ دنیا والوں کو دکھلائے کہ حضرت دنیا طلب ہیں اور آخرکار لوگوں کی توجہ حضرت سے ہٹ جائے، اگرچہ ایسا نہ ہو سکا۔

علمی محافل منعقد کرنے سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا علمی مقام و مرتبہ تمام لوگوں پر اور بھی زیادہ روشن ہو گیا اور خلیفہ کی منزلت روز بروز گھٹنے لگی یہاں تک کہ دوست و دشمن سب امام کو خلافت کے لیے بہترین اور مناسب فرد سمجھنے لگے۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۴۱۔ بحار الانوار، ج ۴۹، ص ۲۹۹۔ مسند الامام الرضا، ج ۱، ص ۱۳۰۔

(۲) مقاتل الطالبین، ص ۶۳۰-۵۸۷۔

یہ مسئلہ خلیفہ پر سخت گزرا اور اس بات نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے خلاف اس کے کینہ اور حسد کو زیادہ کر دیا۔اس نے مجبور ہو کر ایک حیلہ تلاش کیا اور حضرت کو زہر دے کر شہید کر دیا۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت مامون کے ہاتھوں تاریخ شیعہ اور اہل بیت میں ایک عظیم مظلومیت کا اضافہ کر گئی اور یہ آزاد فکر اور طرفداران حق کے قصیدے میں ایک اور مصرعہ کا اضافہ تھا کہ جو ان کے ادبیات میں روز روشن کی طرح چمکا۔(۲)

اس کے علاوہ تاریخی منابع میں متعدد تحریک اور قیاموں کا تذکرہ موجود ہے کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت اور آپ کے خون کا بدلہ لینے کے سلسلے میں کیے گئے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے بھائی احمد بن موسی تین ہزار، اور ایک روایت کے مطابق دو ہزار ساتھیوں کے ہمراہ حضرت کی شہادت کے انتقام کے لیے بغداد سے نکلے اور شیراز میں حکومت کے عباسی گورنر سے جنگ کی (۳) اور اپنے بھائی محمد عابد کے ساتھ اسی شہر میں شہید ہو گئے۔(۴)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت روایات کی روشنی میں

روایتوں کے مختلف متون میں کہ جو تاریخ کے عظیم ترین اور اہم منابع ہیں، حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں بہت زیادہ نکات دیکھے جا سکتے ہیں۔ان روایات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱-وہ روایات کہ جو حضرت رسول اکرم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام سے مروی ہیں۔

---

(۱) عیون اخبا الرضا، ج۲،ص۲۳۹۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج۴،ص۳۷۴کے بعد۔

(۳) الارشاد، ج۲،ص۳۰۲۔

(۴) بحار الانوار، ج۴۸،ص۲۸۷۔

۲-وہ روایات کہ جو خود حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زبان مبارک سے وارد ہوئی ہیں۔

۳- وہ افراد کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی سے متعلق ہیں اور آپ کی شہادت پر موثق گواہ اور شاہد ہیں ان کے بیانات۔

ابوبصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے والد گرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک روز جابر بن عبداللہ انصاری کو بلایا اور ان سے فرمایا: ''یا جابر اخبرنی عن اللوح الذی رایته فی ید امی فاطمه ''اے جابر اس لوح کے بارے میں مجھ سے بیان کرو کہ جو آپ نے میری والدہ فاطمہ کے پاس دیکھی تھی۔

جابر نے کہا: میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت کی مبارکباد دینے کے لیے آپ کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں مشرف ہوا، ان کے ہاتھ میں ایک سبز رنگ کی لوح دیکھی گویا کہ زمرد سے بنی ہو، میں نے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا سے اس لوح کے بارے میں سوال کیا، آپ نے میرے جواب میں فرمایا: یہ خداوند عالم کی جانب سے میرے والد گرامی کے لیے ہدیہ ہے کہ جس میں میرے والد، شوہر اور میری نسل کے تمام آئمہ کے نام مذکور ہیں میرے والد نے یہ مجھ کو عطا کی تا کہ مجھ کو خوشخبری دیں۔اس لوح کے ایک حصہ میں کہ جو حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے مربوط ہے اس میں مذکور ہے:"یقتله عفریت مستکبر" آپ کو ایک خودخواہ وقدرت طلب اژدہا قتل کرے گا۔(۱)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث میں نقل ہوا ہے کہ:''تقتل حفدتی بارض خراسان ''(۲) میرا ایک فرزند سرزمین خراسان میں قتل کر دیا جائے گا۔

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج ۱، ص ۴۴-تک حدیث لوح مفصل مذکور ہے۔

(۲) من لا یحضرہ الفقیہ، ج ۲، ص ۵۸۴۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک اور حدیث منقول ہے کہ میرے بیٹے موسیٰ کی اولاد میں سے ایک فرزند خراسان پہنچے گا وہاں اس کو زہر سے شہید کر دیا جائے گا۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے ایک روایت میں نقل ہوا ہے: خدا کی قسم! ہم میں سے ہر ایک فرد شہید ہوا ہے، کسی نے کہا کہ آپ کو کون شہید کرے گا؟ حضرت نے فرمایا: میرے زمانے کا بدترین شخص مجھ کو زہر سے شہید کرے گا۔(۲)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور مامون کے درمیان ولی عہدی قبول کرنے سے پہلے جو گفتگو ہوئی جس میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے ولی عہدی قبول نہ کرنے کی ایک دلیل یہ تھی کہ آپ نے فرمایا: میرے والد گرامی نے اپنے پدر بزرگوار سے اور انہوں نے اپنے آباء واجداد سے نقل کیا ہے کہ میرے جد امجد حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے بارے میں فرمایا ہے: میں تجھ سے پہلے مظلومانہ طور پر زہر سے شہید کر دیا جاؤں گا اور اگر مجھ کو اجازت ہوتی تو یہ بھی بتا دیتا کہ میرا قاتل کون ہے۔(۳)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنی شہادت کے بارے میں جو آخری گفتگو فرمائی ہے وہ آپ کی شہادت سے کچھ پہلے کی ہے کہ جو دو آپ کے محرم راز ابوصلت ہروی و ہرثمہ بن اعین نے بیان کی ہے اس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۲۵۵۔ "یخرج رجل من ولد ابنی موسی اسمه اسم امیر المؤمنین الی ارض خراسان، وهی بخراسان یقتل فیها بالسم"۔

(۲) "واللہ ما منا الا مقتول شهید، فقیل له : ومن یقتلك یا بن رسول الله ؟ قال شرخلق الله فی زمانی یقتلنی بالسم "۔عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۲۵۶۔

(۳) "انی اخرج من الدنیا قبلك مسموما مقتولا بالسم مظلوما ---"۔عیون اخبار الرضا، ج۲،ص۱۴۰۔

میرا اللہ کی جانب بازگشت کا وقت آپہنچا ہے اب میں اپنے جد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے آباء و اجداد علیہم السلام کے پاس چلا جاؤں گا، میری زندگی کا آخری وقت ہے ،اس طاغوت (مامون) نے ارادہ کیا ہے کہ زہریلے انگور اور انار کے ذریعہ مجھے قتل کرے۔(۱)

ابونواس نے ایک قصیدے میں کہا ہے:

باؤوا بقتل الرضا من بعد بيعته　　وابصروا بعضهم من رشدهم و عموا

عصابة شقيت من بعد ما سعدوا　　و معشر هلكوا من بعد ما سلموا۔(۲)

بعض لوگ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی بیعت کرنے کے بعد بھی آپ کے قتل کرنے میں جلدی کرنے لگے اور بصیرت وآگاہی کے بعد دل اندھے ہو گئے۔

وہ لوگ کہ جو خوشبختی کے بعد بد بخت ہو گئے، وہ افراد کہ جو نجات پانے کے بعد گمراہ و نابود ہو گئے۔

دعبل خزاعی نے بھی اپنے اشعار میں اس مرثیہ کو پیش کیا ہے:

الا ما لعين بالدموع استهلت　　ولو نقرت ما الشؤون لقلت

على من بكته الارض واسترجعت له　　رؤوس الجبال الشامخات و ذلت

وقد اعولت تبكی السماء لفقده　　و انجمها ناحت عليه وكلت

فنحن عليه اليوم اجدر بالبكاء　　لمرزئة عزت علينا و جلت

رزئنا رضى الله سبط نبينا　　فاخلقت الدنيا له و تولت

وما خير دنيا بعد آل محمد　　الا لا تباليها اذا ما اضمحلت۔(۳)

---

(۱) اعلام الوری، ص ۳۲۸۔ عیون اخبار الرضا، ج ۲، ص ۲۴۶۔

(۲) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۷۶۔

(۳) مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴، ص ۳۷۸۔

کیا ہوگیا ہے کہ آنکھیں تھوڑی برس رہی ہیں اور گریہ کررہی ہیں، اس حال میں کہ اگر آنکھوں کا پانی ختم ہوجائے اور وہ خشک ہوجائیں تو بھی کم ہے۔

اس شخص کی مصیبت میں کہ جس پر زمین نے گریہ کیا، اور بلند و سر بہ فلک پہاڑ اس کے غم میں آہ و فغاں کررہے ہیں اور عزادار ہیں۔

آسمان اس کی جدائی پر نالہ کناں ہے اور ستارے اس پر نوحہ کررہے ہیں۔

حق یہ ہے کہ ہم بھی اس پر گریہ کریں، اس لیے کہ بہت بڑی اور عظیم مصیبت ہم پر وارد ہوئی ہے۔

ہم، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کو ہاتھ سے کھودینے پر غم زدہ ہیں یہ وہ مصیبت ہے کہ جو اہل دنیا کے لیے بہت سنگین و عظیم ہے۔

فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد اس دنیا میں کوئی بھلائی نہیں ہے اور کوئی خوشی نہیں ہے اور اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کی کوئی آرزو نہیں ہے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کا وقت

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کا سال مختلف روایات کے اعتبار سے(۱) ۲۰۲ و ۲۰۳ ہجری قمری ہے(۲) کہ جس میں سے دوسرا نظریہ صاحبان نظر کے نزدیک زیادہ مشہور ہے، شیخ کلینی نے اسی سال کی تائید کی ہے اور مسعودی بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

بعض معاصرین نے ان سکوں کی تاریخ سے کہ جن پر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا نام درج ہے، اور ان پر ۲۰۴ ہجری ثبت ہے، سے استناد کیا ہے کہ آپ کی شہادت اسی سال یعنی ۲۰۴ ہجری میں ہوئی ہے لیکن جیسا کہ بعض نے وضاحت کی ہے کہ سکوں پر درج شدہ تاریخ دلیل نہیں ہوسکتی۔

---

(۱) الکافی، ج ۱ ص ۴۹۲۔ اثبات الوصیہ، ص ۲۲۸۔ مناقب ابن شہر آشوب، ج ۴ ص ۳۶۷۔

(۲) الکافی، ج ۱ ص ۴۸۶۔ مروج الذہب، ج ۳ ص ۴۴۱۔ التنبیہ والاشراف، ص ۳۰۳۔

کہ وہ سکے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی زندگی ہی میں ڈھالے گئے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ بعض افراد نے تبرک کے طور پر آپ کی شہادت کے بعد ان کو تیار کیا ہو۔(۱)

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کے دن میں بھی مورخین متفق نہیں ہیں اور مختلف نظریات کا اظہار کیا گیا ہے:

ماہ رمضان کے اختتام سے سات دن پہلے،(۲) ماہ ذی الحجہ کی آخری تاریخ،(۳) ماہ صفر کی پہلی تاریخ،(۴) آخر ماہ صفر(۵) وغیرہ ان تمام تاریخوں میں آخری تاریخ زیادہ مشہور اور معتبر ہے یعنی آخر ماہ صفر۔ اکثر تاریخوں میں مذکور ہے کہ روز جمعہ آپ کی شہادت واقع ہوئی ہے۔(۶)

لہذا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی مشہورترین تاریخ شہادت یہ ہے: روز جمعہ، آخر ماہ صفر ۲۰۳ ہجری قمری، اور حضرت کی شہادت کے وقت عمر شریف پچپن سال تھی۔(۷)

---

(۱) اعیان الشیعہ، ج۲،ص۲۱۔

(۲) عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۱۹۔ اعلام الوری،ص۳۰۳۔ مناقب آل ابی طالب، ج۴،ص۳۶۷۔

(۳) اثبات الوصیہ،ص۲۸۸۔

(۴) التنبیہ والاشراف،ص۳۰۳۔

(۵) الکافی، ج۱،ص۴۸۶۔ مروج الذھب، ج۳،ص۴۴۱۔ الارشاد، ج۲،ص۲۳۹۔ اعلام الوری،ص۳۰۳۔ وفیات الاعیان، ج۳،ص۲۷۰۔ کشف الغمہ، ج۳،ص۱۵۰۔

(۶) عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۱۹۔ اعلام الوری،ص۳۰۳۔

(۷) مروج الذہب، ج۳،ص۴۴۱۔ عیون اخبار الرضا، ج۱،ص۱۹۔ اعلام الوری،ص۳۰۳۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی شہادت کا مقام اور روضہ منورہ

حضرت امام علی رضا علیہ السلام شہر طوس میں شہید ہوئے اور جیسا کہ خود آپ نے پیش بینی اور وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو سناباد میں ایک خاص مقام پر دفن کیا جائے کہ جو بعد میں مشہد الرضا کے نام سے مشہور ہو گیا۔

گویا یہ تقدیر میں تھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ایک فرزند اور بارہ اماموں میں سے ایک امام، مدینہ سے دور سرزمین میں شہید ہوں تا کہ آپ کا نورانی مرقد کروڑوں زائرین و فرزندان توحید کی زیارت گاہ قرار پائے اور وہ اس چشمہ ولایت سے سیراب ہوں۔

کتابنامہ

-آ ثار باستانی خراسان،مولوی،عبدالحمید،انجمن آ ثار ملی،مشہد۔

-آ ثار واخبار امام رضا علیہ السلام،عطاردی،عزیز اللہ،انتشارات کتابخانہ صدر،تہران،۱۳۹۷ھ۔

- الاتحاف بحب الاشراف،الشبراوی،عبداللہ ابن محمد،منشورات الرضی،قم۔

- اثبات الوصیہ،مسعودی،علی بن حسین،ترجمہ محمد جواد نجفی،کتابفروشی اسلامیہ،تہران۔

-اثبات الھداۃ بالنصوص والمعجزات،حر عاملی،محمد بن حسن،ترجمہ احمد جنتی،دارالکتب الاسلامیہ،تہران۔

- الاحتجاج،طبرسی،احمد بن علی،نشر المرتضی،مشہد،۱۴۰۳ھ۔

-احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم،مقدسی،محمد بن احمد،ترجمہ علی نقی منزوی،شرکت مولفان ومترجمان ایران،تہران۔

- احسن التواریخ،،روملو،حسن،تصحیح عبدالحسین نوابی،انتشارات بابک،تہران۔

- الارشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد،مفید،محمد بن محمد النعمان،معروف بہ شیخ مفید،ترجمہ رسولی محلاتی، ہاشم،انتشارات علمیہ اسلامیہ،تہران۔

- الاستبصار،طوسی،ابوجعفر،محمد بن الحسن،دارالکتب الاسلامیہ،تہران۔

-اصول کافی،کلینی،محمد بن یعقوب،ترجمہ سید جواد مصطفوی،انتشارات علمیہ اسلامیہ،تہران۔

-اطلس راہ ھای ایران، گیتاشناسی،موسسہ جغرافیائی، گیتاشناسی،تہران۔

- الاعلام،زرکلی،خیرالدین۔

-اعلام الوری، باعلام الھدی،طبرسی،فضل بن حسن،ترجمہ محمد حسین ساکت،تہران۔اساطیر۔

- الاغانی، ابوالفرج اصفہانی علی بن حسین، موسسہ جمال للطباعۃ والنشر، بیروت، التراث العربی۔
- الامالی، ابن بابویہ محمد بن علی، قم۔
- امام رضا علیہ السلام، ناجی، محمد رضا، دفتر پژوہش ھای فرہنگی، تہران۔
- امام رضا علیہ السلام اسوہ صراط مستقیم، کافی حسن، میقات، تہران۔
- امام علی بن موسی الرضا علیہ السلام منادی توحید و امامت، معینی محمد جواد و احمد ترابی، بنیاد پژوہش ھای اسلامی، مشہد۔
- الانوار البھیہ فی تواریخ الحجج الالھیہ، قمی، عباس، منشورات الرضی، قم۔
- بحار الانوار، مجلسی محمد باقر، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔
- بحر الانساب، ابومخنف، لوط بن یحی، دار الخلافۃ، تہران۔
- بحوث فی الملل والنحل، سبحانی تبریزی جعفر، مرکز مدیریت حوزہ علمیہ قم، قم۔
- بدایع الوقایع، واصفی محمود بن عبد الجلیل، بنیاد فرہنگ ایران، تہران۔
- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، مکتب المعارف، بیروت، مکتب النصر، ریاض۔
- البدء والتاریخ، ابوزید، احمد بن سہل، افسیٹ، مکتب المنشی، بغداد۔
- البلدان، یعقوبی، احمد بن اسحاق، ترجمہ محمد ابراہیم آیتی، بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب، تہران۔
- تاج الموالید، طبرسی فضل بن حسن، مکتبہ بصیرتی قم، ۱۳۹۶ھ۔
- تاریخ عالم آرای عباسی، اسکندر منشی، تصحیح محمد اسماعیل رضوانی، دنیاء کتاب، تہران۔
- تاریخ ابن خلدون، عبد الرحمٰن، موسسۃ الاعلمی، بیروت، ۱۳۹۱ھ۔
- تاریخ الامم والملوک، طبری، محمد بن جریر، کتابخانہ ارومیہ قم۔
- تاریخ الخلفاء، سیوطی، عبد الرحمٰن بن ابی بکر، مطبع السعادۃ، مصر، ۱۳۷۱ھ۔
- تاریخ بغداد، خطیب بغدادی، احمد بن علی، دار السعادہ، مصر، ۱۳۴۹ھ۔
- تاریخ بیہقی، بیہقی، محمد بن حسین، تصحیح علی اکبر فیاض، دانشگاہ فردوسی مشہد، مشہد۔
- تاریخ دمشق، ابن عساکر، علی بن الحسن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ۔
- تاریخ طبری، طبری، محمد بن جریر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۸۸ء۔
- تاریخ فخری، ابن طقطقی، محمد بن علی، بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب، تہران۔

- تاریخ کربلا والحائر الحسینی، کلیدار، عبدالجواد، المکتبۃ الحیدریہ، نجف۔
- تاریخ مختصر الدول، ابن العربی، غربغوریوس بن ہارون۔
- تاریخ نائین، بلاغی، عبدالحجۃ، تہران، ۱۳۶۹ھ۔
- تاریخ نیشاپور، حاکم نیشاپوری، محمد بن عبداللہ، تصحیح محمد رضا شفیعی کدکنی، آگہ، تہران۔
- تاریخ یعقوبی، یعقوبی، احمد بن اسحاق، ترجمہ محمد ابراہیم آیتی، علمی و فرہنگی، تہران۔
- تحف العقول، ابن شعبہ، حسن بن علی، انتشارات اسلامیہ، شیراز۔
- تحفۃ الرضویہ، بسطامی، نوروز علی، تبریز، ۱۲۸۱ھ۔
- التدوین فی اخبار قزوین، رافعی قزوینی، عبدالکریم بن محمد، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۰۸ھ۔
- تذکرۃ الخواص، سبط بن الجوزی، یوسف بن قزاوغلی، موسسہ اہل بیت، بیروت، ۱۴۰۱ھ۔
- تذکرہ جغرافیاء تاریخی ایران، بارتولد، واسیلی والادیمیرو ویچ، ترجمہ حمزہ سردادور، انتشارات توس، تہران۔
- التنبیہ والاشراف، مسعودی، علی بن حسین، دارصعبۃ، بیروت۔
- تنزیہ الانبیاء، علم الہدی، علی بن الحسین، نشر الشریف الرضی، قم۔
- تہذیب الاحکام، طوسی، ابوجعفر محمد بن حسن، دارالکتب الاسلامیہ، تہران۔
- تہذیب الانساب ونہایۃ الاعقاب، عبیدلی، محمد بن ابی جعفر، کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی، قم، ۱۴۱۳ھ۔
- تہذیب التہذیب، ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۴ھ۔
- جغرافیا حافظ ابرو، عبداللہ بن لطف اللہ، قسمت ربع خراسان (ہرات)، بہ کوشش غلام رضا مایل ہروی، بنیاد فرہنگ ایران، تہران۔
- حدود العالم من المشرق الی المغرب، تصحیح منوچہر ستودہ، انتشارات طہوری، تہران۔
- حدیقۃ الشیعہ، مقدس اردبیلی، احمد بن محمد، علمیہ اسلامیہ، تہران۔
- حضرت رضا علیہ السلام، کمپانی، فضل اللہ، مفید، تہران۔
- الحیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا علیہ السلام، عاملی، جعفر مرتضی، جامع المدرسین، قم، ۱۴۰۳ھ۔
- الدعوات، قطب راوندی، سعید بن ہبۃ اللہ، منشورات مدرسہ الامام المہدی، قم، ۱۴۰۷ھ۔
- دلائل الامامۃ، طبری، محمد بن جریر، المکتب الحیدریہ، نجف، ۱۳۸۳ھ۔

- رجال الطّوسی، طوسی، محمد بن حسن، منشورات المکتب الحیدریہ، نجف۔
- رسائل الخوارزمی، خوارزمی، محمد بن عباس، تصحیح ڈاکٹر پورگل، انجمن آثار فرہنگی ومفاخر فرہنگی، تہران، ۱۳۸۴ھ۔
-روضۃ الواعظین وبصیرۃ المتعلمین، فتال نیشاپوری، محمد بن احمد، ترجمہ محمود مہدوی دامغانی، تہران۔
- ریحانۃ الادب، مدرس، محمد علی، کتاب فروشی، خیام، تبریز۔
- زندگانی امام رضا علیہ السلام، رفیعی علی، فیض کاشانی، تہران۔
- زندگانی علی بن موسی الرضا علیہ السلام از تاریخ سیاسی اسلام، یوسف، عبدالقادر احمد، ترجمہ ونگارش غلام رضا ریاضی، زوار، مشہد۔
- زندگی سیاسی ہشتمین امام، عاملی، جعفر مرتضی، ترجمہ سید خلیل خلیلیان، نشر فرہنگ اسلامی، تہران۔
- زین الاخبار، گردیزی، عبدالحیی بن ضحاک، تصحیح عبدالحیی حبیبی، دنیای کتاب، تہران۔
- سراج الانساب، کیا گیلانی، احمد بن محمد، کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی، ۱۴۰۹ھ۔
- سفرنامہ ناصر خسرو، ناصر خسرو، بہ کوشش نادر وزین پور، تہران۔
- سفرنامہ خراسان، ناصر الدین قاجار شاہ ایران، بابک، تہران۔
- سیرہ معصومان، امین، محسن، ترجمہ علی حجتی کرمانی، سروش، تہران۔
- شرح الاخبار فی فضائل الآئمۃ الاطہار، قاضی نعمان بن محمد تمیمی، تحقیق محمد حسینی جلالی، موسسۃ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۱۲ھ۔
- شہرھای ایران درروزگار پارتیان وساسانیان، پیگولوسکایا، ویکٹورنا، انتشارات علمی فرہنگی، تہران۔
- الصواعق المحرقہ، ابن حجر مکی ہیثمی شافعی، احمد بن محمد، شرکۃ الطباعۃ الفنی المتحد، قاہرہ، ۱۳۸۵ھ۔
- صورۃ الارض، ابن حوقل، ابوالقاسم، بریل، لندن، ۱۹۳۸ء۔
- ضحیٰ الاسلام، امین، احمد، مکتب النہضۃ المصریۃ، قاہرہ۔
- طرائف المقال، ابن طاؤس، علی ابن موسی، مطبع خیام، قم، ۱۳۹۹ھ۔
- عصر المامون، رفاعی، احمد فرید، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ۱۳۴۶ھ۔
- علی بن موسی امام رضا علیہ السلام، محمد زادہ، مرضیہ، انتشارات دلیل ما، قم۔
- عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب، ابن عنبہ، احمد بن علی، حیدریہ، نجف، ۱۳۸۰ھ۔

- عیون اخبار الرضا، ابن بابویہ، محمد بن علی، ترجمہ علی اکبر غفاری وحمید رضا مستفید، دار الکتب الاسلامیہ، تہران۔
- الغیبۃ، طوسی، محمد بن حسن، موسسہ المعارف الاسلامیہ، قم، ۱۴۱۱ھ۔
- فتوح البلدان، بلاذری، احمد بن یحی، ترجمہ آذرتاش آذرنوش، انتشارات سروش، تہران۔
- الفخریۃ فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، ابن طقطقی، محمد ابن علی، دار صادر، بیروت۔
- فرحۃ الغری، ابن طاؤس، عبدالکریم بن جلال الدین، مرکز الغدیر للدراسات الاسلامیہ، ۱۴۱۹ھ۔
- فرق الشیعہ، نوبختی، حسن بن موسی، المکتبۃ المرتضویہ، الحیدریہ، نجف، ۱۳۵۵ھ۔
- فروع کافی، کلینی، محمد بن یعقوب، دار الکتب الاسلامیہ، تہران۔
- فرہنگ جغرافیای ایران (خراسان)، کارکنان وزارت جنگ انگلستان مستقر در ہندوستان، ترجمہ کاظم خادمیان، بنیاد پژوہش ھای اسلامی، مشہد۔
- الفصول المہمۃ فی معرفۃ احوال الآئمہ، ابن صباغ مالکی، علی ابن محمد، نجف، ۱۹۵۰ء طبع دار الخلافہ، تہران ۱۳۰۳ھ۔
- الفقہ المنسوب للامام الرضا علیہ السلام، علی ابن موسی الرضا علیہ السلام، تحقیق موسسۃ آل البیت لاحیاء التراث، الموتمر العالمی للامام الرضا، مشہد ۱۴۰۶ھ۔
- الفہرست، ابن الندیم، محمد بن اسحاق، دار المعرفۃ، بیروت، ۱۳۹۸۔
- الکافی، کلینی، محمد بن یعقوب، دار الاضواء، بیروت، ۱۳۹۸ھ۔
- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، علی بن محمد، دار بیروت، ۱۳۸۵ھ۔
- کشف الغمہ فی معرفۃ الآئمہ، اربلی، علی بن عیسی، قم، ۱۳۸۱ھ۔
- کمال الدین وتمام النعمۃ، ابن بابویہ، محمد بن علی، موسسۃ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۰۵ھ۔
- کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، متقی، علی بن حسام الدین، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔
- مجمع البحرین، طریحی، فخر الدین بن محمد، مرتضوی، تہران۔
- مجمل فصیحی، خوافی، احمد بن محمد، تصحیح محمود فرخ، انتشارات باستان، مشہد۔
- مجموعہ مقالات دومین کنگرہ جہانی حضرت رضا علیہ السلام، کنگرہ جہانی حضرت رضا علیہ السلام، مشہد۔
- مجموعہ نفیسہ، بہ اہتمام محمود حسینی مرعشی، کتابخانہ آیت اللہ مرعشی نجفی، قم۔
- المحاسن والمساوی، بیہقی، محمد بن ابراہیم، دار بیروت، ۱۴۰۴ھ۔

- المختصر فی اخبار البشر، ابوالفدا، اسماعیل بن علی، المطبعۃ الحسینیہ، مصر۔
- مدینۃ المعاجز، بحرانی، ہاشم بن سلیمان، مکتب المحمودی، تہران۔
- مروج الذھب ومعادن الجوھر، مسعودی، علی بن حسین، ترجمہ ابوالقاسم پاینده، بنگاہ ترجمہ ونشر کتاب، تہران۔
- المسالک والممالک، ابن خردادبہ، عبیداللہ، ترجمہ حسین قرہ چانلو، تہران۔
- المسالک والممالک، اصطخری، ابراہیم بن محمد، دارالصادر، بیروت، ۲۰۰۴ء۔
- مستدرک الوسائل، نوری، حسین بن محمد تقی، موسسۃ آل البیت لاحیاء التراث، قم، ۱۴۰۷ھ۔
- مسندالامام الرضاعلیہ السلام، عطاردی، عزیزاللہ، آستان قدس رضوی، مشہد، ۱۴۰۶ھ۔
- مشہد الرضاعلیہ السلام، مشہدی محمد، عباس، ناشر مولف، تہران۔
- مطالب السؤل، نصیبی، محمد بن طلحہ، موسسۃ البلاغ، بیروت، ۱۴۱۹ھ۔
- مطلع الشمس، صنیع الدولہ (اعتماد السلطنہ) محمد حسن خان، با مقدمہ وفہارس واہتمام تیمور برہان لیمودھی، انتشارات فرہنگسرا، تہران۔
- معانی الاخبار، ابن بابویہ، محمد ابن علی، معروف بہ شیخ صدوق، دارالعلم، قم، ۱۳۷۹ھ۔
- معجم البلدان، یاقوت حموی، یاقوت بن عبداللہ، دار بیروت، بیروت، ۱۳۷۶ھ۔
- مقاتل الطالبیین، ابوالفرج اصفہانی، علی بن الحسن، دارالمعرفت، بیروت۔
- مقدمہ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، ترجمہ پروین گنابادی، مرکز انتشارات علمی وفرہنگی، تہران۔
- مکارم الاخلاق، طبرسی، حسن ابن فضل، نشر الشریف الرضی، ۱۳۹۲ھ۔
- مناظرات تاریخی امام رضا علیہ السلام با پیروان مذاہب ومکاتب دیگر، مکارم شیرازی، ناصر، بنیاد پژوہش ھای اسلامی، مشہد۔
- المناقب، خوارزمی حنفی، موفق بن احمد بن محمد، موسسہ النشر الاسلامی لجامع المدرسین، ۱۴۱۱ھ۔
- مناقب آل ابی طالب، ابن شہرآشوب، محمد بن علی، المطبعۃ الحیدریہ، نجف، ۱۳۷۵ھ۔
- منتہی الآمال، قمی، عباس، ہجرت، قم۔
- المنتظم فی تاریخ الامم والملوک، ابن جوزی، علی بن محمد، تحقیق محمد عبدالقادر عطا ومصطفیٰ عبدالقادر عطا، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۲ھ۔

- من لایحضرہ الفقیہ، ابن بابویہ، محمد بن علی، موسسۃ النشر الاسلامی، قم، ۱۴۰۴ھ۔
- میزان الحکمۃ، محمدی ری شہری، محمد، دارالحدیث، قم۔
- النجوم الزاہرہ، ابن تغری بردی، یوسف بن تغری بردی، المصریہ، العامہ۔
- نہج البلاغہ، ترجمہ وشرح بہ قلم علی نقی، فیض الاسلام، کلالہ خاور، تہران۔
- نہضت شعوبیہ: جنبش ملی ایرانیان در برابر خلافت اموی وعباسی، ممتحن، حسین علی، کتاب ھای جیبی، تہران۔
- وسائل الشیعہ، حر عاملی، محمد بن حسن، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۳۹۱ھ۔
- وفیات الاعیان، ابن خلکان، احمد بن محمد، قم، الطبعۃ الثانیہ۔
- ینابیع المودۃ، قندوزی حنفی، سلیمان بن ابراہیم، دارالکتب العراقیہ، قم، مکتب المحمدی، ۱۳۸۵ھ۔